رمضان ۱۴۳۴ھ
جولائی ۲۰۱۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

حلال، حرام اور اصلاحِ قلب

"اربعینِ نوویؒ" کی ایک حدیث کی تفہیم

بانیٔ تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد**ؒ

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصّہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(ساتواں ایڈیشن) ——— صفحات:360، قیمت450روپے

حصّہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
(پانچواں ایڈیشن) ——— صفحات321، قیمت400روپے

حصّہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التّوبہ
(تیسرا ایڈیشن) ——— صفحات331، قیمت400روپے

حصّہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
(دوسرا ایڈیشن) ——— صفحات394، قیمت450روپے

حصّہ پنجم سُورۃُ مَریَم تا سُورۃُ السَّجدۃ
(پہلا ایڈیشن) ——— صفحات480، قیمت550روپے

★عمدہ طباعت ★ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ★ امپورٹڈ آفسٹ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خُدّام القرآن خیبر بختونخوا، پشاور
A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824,2214495

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 62

شمارہ : 7

رمضان : 1434ھ

جولائی: 2013ء

فی شمارہ -/25

اس شمارے کی قیمت 50 روپے

مدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

اندرون ملک	250 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36313131

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

- **عرضِ احوال** — 5
  - ایک بُت پرست کی بُت شکنی — ایوب بیگ مرزا
- **بیانُ القُرآن** — 7
  - سورۃ الرعد (آیات ۱ تا ۴۳) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **مطالعۂ حدیث** — 33
  - حلال، حرام اور اصلاحِ قلب — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **قرآن حکیم اور ہم** — 51
  - قرآن سے استفادہ کے لیے ہدایات — انجینئر نوید احمد
- **اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ** — 65
  - تعارفِ قرآن، بزبانِ قرآن — راجا رشید محمود
- **این کتابے نیست** — 70
  - قرآن کا عجیب ہونا — محمد اقبال واحد
- **تعمیرِ سیرت** — 77
  - اللہ کا مہینہ — عتیق الرحمٰن صدیقی
- **عظمتِ صوم** — 85
  - روزہ اور قربِ الٰہی — راحیل گوہر
- **دعوتِ فکر** — 93
  - انسانی زندگی کا فکری و شعوری ارتقاء — پروفیسر عبدالعظیم جانباز
- **تذکیر و موعظت** — 103
  - پہاڑوں کے برابر نیکیاں — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
- **سوئے حرم** — 114
  - حج بیت اللہ: شرائط، اقسام اور ادائیگی کا طریقہ — حافظ محمد زاہد
- **مردانِ خود آگاہ** — 129
  - علامہ سید سلیمان ندویؒ کا مسلک — ڈاکٹر غلام محمد
- **کاروانِ حدیث** — 141
  - امام بخاریؒ اور ان کی جامع صحیح — عبدالرشید عراقی
- **افکار و آراء** — 151
  - علمِ نفسیات ذہنی مسائل کا حل ہے؟ — مولانا عصمت اللہ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

ایک بُت پرست کی بُت شکنی

بھارت کے سابق نائب سیکرٹری برائے داخلہ آر وی ایس مانی نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے حوالے سے بھارت کی منافقت اور اس کے جھوٹ کا پول کھول دیا ہے‘ یعنی صحیح معنوں میں گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھائی ہے۔ انہوں نے سپریم کورٹ میں بیان دیا ہے کہ انہیں Special Investigation Team (SIT) اور CBI یعنی Central Board of Investigation کے ممبر ستیش ورما نے بتایا ہے کہ ممبئی میں تاج ہوٹل میں ہونے والی دہشت گردی‘ جس میں دوسو (۲۰۰) سے زائد بھارتی ہلاک ہوگئے تھے اور بھارتی پارلیمنٹ پر حملہ جس کی بنا پر بھارت پاکستان کی سرحدوں پر فوج لے آیا تھا اور جنگ کے بادل چھا گئے تھے‘ دہشت گردی کے یہ دونوں واقعات خود بھارت نے کروائے تھے اور یہ باقاعدہ سٹیج کیے گئے تھے۔ ان کے مطابق بھارت کی اس وقت کی حکومت کا اصل مقصد یہ تھا کہ ان واقعات کو بہانہ بنا کر ایسی قانون سازی کر لی جائے جس سے کشمیر اور دوسری بھارتی ریاستوں میں حکومتی اقدام کے لیے خصوصی اختیارات حاصل کر لیے جائیں۔ بھارت کے اس باضمیر باشندے نے یہ بھی بیان دیا ہے کہ بھارت دہشت گردی کے بہت سے واقعات کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر الزام پاکستان پر لگا دیتا ہے۔ آر وی ایس مانی نے ایک خبر بریک کی ہے اور پھر وہ مقاصد بتائے ہیں جن مقاصد کے حصول کے لیے بھارت ریاستی دہشت گردی کا مرتکب ہوتا رہا ہے۔ ہم اس شخص کی حق گوئی پر اسے داد و تحسین دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بھارت میں رہتے ہوئے اس نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا اور اپنی ہی نہیں‘ اپنے تمام خاندان کی زندگیوں کو شدید خطرات سے دوچار کر دیا۔ آج کے دور میں جبکہ سلطنت قوم اور وطن معبود بن چکے ہیں کسی شخص کا اس بُت کو پاش پاش کر دینا حیران کن حد تک بہادری اور جرأت کا مظاہرہ ہے۔

حقیقت میں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بھارت کا پاکستان کے حوالے سے طرزِ عمل آغاز ہی سے منفی اور بدنیتی پر مبنی ہے۔ اس کا آغاز تقسیم ہند سے قبل ہی ہو گیا تھا جب آل انڈیا

مسلم لیگ اور قائداعظم نے کیبنٹ مشن کی سفارشات کو قبول کرتے ہوئے بھارت کو بحیثیت ایک کنفیڈریشن کے قبول کر لیا تھا‘ گویا وہ پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے تھے‘ لیکن پنڈت نہرو کے دل کا کھوٹ زبان پر آ گیا اور اس نے کہہ دیا کہ دس سال بعد کون کسی کو الگ ہونے کی اجازت دے گا! اس کے مقابلے میں قائداعظم کے مثبت رویے کا یہ معاملہ سامنے آیا کہ تقسیم ہند سے کچھ پہلے جب ان سے پوچھا گیا کہ بھارت اور پاکستان کے تعلقات کیسے ہوں گے؟ تو انہوں نے برملا کہا کہ امریکہ اور کینیڈا کی طرح انتہائی قریبی اور دوستانہ۔ لیکن تقسیم کے بعد پاکستان کی طرف ہجرت کرنے والوں کا جو قتل عام کیا گیا‘ جس طرح انسانی خون سے ہولی کھیلی گئی‘ مسلمان عورتوں کی عصمت لوٹی گئی اور جس درندگی کا مظاہرہ کیا گیا اس سے ظاہر ہے دوستی کی نہیں دشمنی کی بنیاد پڑی۔

پھر قیامِ پاکستان کے بعد بھارت نے پاکستان کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ایک طویل اور دلدوز داستان ہے۔ پاکستان کے حصہ کے اثاثہ جات دینے سے صاف انکار کر دیا۔ ۱۱ستمبر ۱۹۴۸ء کو جب قائداعظم کی وفات پر پاکستانی قوم سوگ میں ڈوبی ہوئی تھی اسی روز حیدرآباد دکن پر حملہ کر کے اس ریاست پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ جونا گڑھ اور مناواں پر قبضہ کیا۔ باؤنڈری کمیشن کے ساتھ ساز باز کر کے مسلمانوں کی اکثریت کا ضلع گورداسپور بھارت میں شامل کر لیا تاکہ بھارت کا کشمیر سے زمینی رابطہ قائم کیا جا سکے۔ پھر ۶۵ سال سے بھارت کشمیریوں پر جو ظلم و ستم ڈھا رہا ہے‘ اس پر پاکستانی حکمرانوں اور عوام نے تو بے شرمی اور ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا‘ لیکن ایک روز آسمان سے ضرور قہر نازل ہوگا کہ قدرت ظلم و ستم اور درندگی کا نظارہ ایک حد تک کرتی ہے۔ صرف ۱۹۸۹ء سے لے کر آج تک سوا لاکھ کشمیریوں کو قتل کیا گیا ہے۔ ہزاروں جوان لاپتہ ہیں۔ ہزاروں خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ کشمیریوں کی لرزا دینے والی داستان اہلِ دل کے لیے سننا اور سنانا انتہائی مشکل ہے۔ ۱۹۸۴ء میں سیاچین پر ناجائز قبضہ کیا جو آج تک جاری ہے۔ مشرقی پاکستان کو پاکستان سے الگ کرنے کی خوفناک سازش کی اور ہزاروں بہاریوں کا قتل عام کیا گیا۔ پاکستانی فوج کے ہاتھوں بنگالیوں کے قتل عام اور ان کی خواتین کی آبروریزی کے ایسے ایسے قصے گھڑے گئے کہ آج تک ہمارے دانشور اور سیکولر عناصر اس پروپیگنڈا سے متاثر ہیں۔ پاکستانی فوج نے ردعمل میں بعض مواقع پر ناجائز حرکات کا ارتکاب ضرور کیا‘ لیکن جدید ترین تحقیق کے مطابق اس میں حد درجہ کی مبالغہ آمیزی کی گئی۔

(باقی صفحہ 160 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الرَّعْد

تمہیدی کلمات

سورۃ الرعد سے مکی مدنی سورتوں کے زیر مطالعہ گروپ کے دوسرے ذیلی گروپ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس ذیلی گروپ میں اس سورت کے علاوہ سورۂ ابراہیم اور سورۃ الحجر شامل ہیں۔ یہ تینوں سورتیں نسبتاً چھوٹی ہیں' جبکہ پہلے ذیلی گروپ میں شامل تینوں سورتیں ان کے مقابلے میں طویل تھیں۔ سورۃ الرعد اور سورۂ ابراہیم کا آپس میں جوڑے کا تعلق ہے' ان دونوں کے مضامین میں بھی مشابہت ہے اور طوالت میں بھی یہ تقریباً برابر ہیں' البتہ سورۃ الحجر منفرد ہے۔ جہاں تک سورۃ الرعد کے موضوع کا تعلق ہے یہ سورت ''التذکیر بآلاءِ اللّٰہ'' پر مشتمل ہے۔ اس میں اقوامِ گزشتہ کا تذکرہ کسی رسول یا قوم کا نام لیے بغیر بالکل سرسری انداز میں آیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیات ۱ تا ۷

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا
ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ
مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ وَهُوَ
الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ

الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ
وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ
بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنْ
تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ
اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۧ

آیت ۱ ﴿الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ﴾ ''ا ل م ر۔ یہ (اللہ کی) کتاب کی آیات ہیں۔''

﴿وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) جو چیز آپ پر نازل کی گئی ہے آپ کے رب کی طرف سے وہ حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے (یا ایمان لانے والے نہیں ہیں)۔''

آیت ۲ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ ''اللہ ہی ہے جس نے اٹھایا ہے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھتے ہو''

اس کائنات کے اندر جو بلندیاں ہیں انہیں ستونوں یا کسی طبعی سہارے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے باہمی کشش کا ایک عظیم الشان نظام وضع کیا گیا ہے' جس کے تحت تمام کہکشائیں' ستارے اور سیارے اپنے اپنے مقام پر رہ کر اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ﴾ ''پھر وہ متمکن ہوا عرش پر اور اُس نے (مسلسل) کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو۔''

﴿كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ﴾ ''ہر ایک چل رہا ہے ایک وقت معین کے لیے۔''

یعنی اس کائنات کی ہر چیز متحرک ہے' چل رہی ہے' یہاں پر سکون اور قیام کا کوئی تصور نہیں۔ دوسرا اہم نکتہ جو یہاں بیان ہوا وہ یہ ہے کہ اس کائنات کی ہر شے کی عمر یا مہلت مقرر ہے۔ ہر ستارے' ہر سیارے' ہر نظامِ شمسی اور ہر کہکشاں کی مہلت زندگی مقرر و معین ہے۔

﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲﴾ ''وہ تدبیر فرماتا ہے اپنے امر کی اور تفصیل بیان کرتا ہے اپنی آیات کی' تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔''

آیت ۳ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ﴾ ''اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور بنائے اس میں لنگر (یعنی پہاڑ) اور ندیاں۔''

اللہ تعالیٰ نے زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لیے اس پر پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ دیے ہیں اور پانی کی فراہمی کے لیے دریا اور ندیاں بہادی ہیں۔

﴿وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ ''اور اُس نے ہر طرح کے پھلوں میں جوڑے بنائے''

جوڑے بنانے کے اس قانون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الذاریات آیت ۴۹ میں اس طرح بیان فرمایا ہے: ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ......﴾ ''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے......''۔ گویا یہ زوجین (نر اور مادہ) کی تخلیق اور ان کا قاعدہ وقانون اللہ تعالیٰ نے اس عالمِ خلق کے اندر ایک باقاعدہ نظام کے طور پر رکھا ہے۔ یہاں پر پھلوں کے حوالے سے اشارہ ہے کہ نباتات میں بھی نر اور مادہ کا باقاعدہ نظام موجود ہے۔ کہیں نر اور مادہ پھول الگ الگ ہوتے ہیں اور کہیں ایک ہی پھول کے اندر ایک حصہ نر اور ایک حصہ مادہ ہوتا ہے۔

﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ﴾ ''وہ ڈھانپ دیتا ہے دن پر رات کو۔''

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں غور وفکر کرنے والوں کے لیے۔''

آیت ۴ ﴿وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟﴾ ''اور زمین میں قطعات ہیں ایک

دوسرے سے متصل اور باغات انگوروں کے اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت' جڑوں سے ملے ہوئے بھی اور الگ الگ بھی' انہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے''

﴿وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ﴾ ''(اس کے باوجود) ہم کسی کو کسی پر فضیلت دے دیتے ہیں ذائقے میں۔''

ایک ہی زمین میں ایک ہی جڑ سے کھجور کے دو درخت اُگتے ہیں' دونوں کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے' لیکن دونوں کے پھلوں کا اپنا اپنا ذائقہ ہوتا ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔''

یہ التذکیر بآلآء اللّٰہ کا انداز ہے' جس میں بار بار اللہ کی قدرتوں' نشانیوں اور نعمتوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

آیت ۵ ﴿وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ﴾ ''اور اگر تمہیں تعجب کرنا ہے تو قابل تعجب ہے ان کا یہ قول کہ کیا جب ہم (مر کر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرِنو وجود میں آئیں گے؟''

یعنی کفار کا مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر تعجب کرنا' بذاتِ خود باعثِ تعجب ہے۔ جس اللہ نے پہلی مرتبہ تم لوگوں کو تخلیق کیا' پوری کائنات اور اس کی ایک ایک چیز پُرحکمت طریقے سے بنائی اُس کے لیے یہ تعجب کرنا کہ وہ ہمیں دوبارہ کیسے زندہ کرے گا' یہ سوچ اور یہ نظریہ اپنی جگہ بہت ہی مضحکہ خیز اور باعثِ تعجب ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا۔''

دوبارہ جی اٹھنے کے عقیدے سے ان کا یہ انکار دراصل اللہ کے وجود کا انکار ہے۔ اُس کی قدرت اور اس کے عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ہونے کا انکار ہے۔

﴿وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵﴾ ''اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں' اور یہی جہنمی ہیں' اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

آیت ۶ ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ ''اور یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں آپ سے برائی (عذاب) کے لیے بھلائی سے پہلے''

کفارِ مکہ حضور ﷺ سے بڑی جسارت اور ڈھٹائی کے ساتھ بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ لے آئیں ہم پر وہ عذاب جس کے بارے میں آپؐ ہمیں روز روز دھمکیاں دیتے ہیں۔

﴿وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ﴾ ''حالانکہ ان سے پہلے (بہت سی) مثالیں گزر چکی ہیں۔''

اللہ کے عذاب کی بہت سی عبرت ناک مثالیں گزشتہ اقوام کی تاریخ کی صورت میں ان کے سامنے ہیں۔

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ﴾ ''اور یقیناً آپ کا رب لوگوں کے حق میں معاف کرنے والا ہے ان کے ظلم کے باوجود۔''

یہ اُس کی رحمت اور شانِ غفاری کا مظہر ہے کہ ان کے مطالبے کے باوجود اور ان کے شرک و ظلم میں اس حد تک بڑھ جانے کے باوجود عذاب بھیجنے میں تاخیر فرما رہا ہے۔

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶﴾ ''اور یقیناً آپ کا رب سخت سزا دینے والا بھی ہے۔''

آیت ۷ ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ﴾ ''اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری گئی اس شخص پر کوئی نشانی اس کے ربّ کی طرف سے؟''

مشرکین مکہ بار بار اسی دلیل کو دہراتے تھے کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کے رب کی طرف سے آپ کو کوئی حسّی معجزہ کیوں نہیں دیا گیا؟

﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ تو بس خبردار کر دینے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہے۔''

جس طرح ہم نے ہر قوم کے لیے پیغمبر بھیجے ہیں اسی طرح آپؐ کو بھی ہم نے اِن لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا ہے۔ آپؐ کے ذمہ ان کی تبشیر، تنذیر اور تذکیر ہے۔ آپ ﷺ اپنا یہ فرض ادا کرتے رہیں۔

آیات ۸ تا ۱۸

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝۱۰ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝۱۱ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۲ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝۱۳ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۱۴ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝۱۵ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۱۶ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ ۝۱۷ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا

لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾

آیت ۸ ﴿اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى﴾ ''اللہ خوب جانتا ہے کہ ہر مادہ کیا اٹھائے ہوئے ہے''

ہر مادہ چاہے وہ انسان ہے یا حیوان' اس کے رحم میں جو کچھ ہے اللہ کے علم میں ہے۔

﴿وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ﴾ ''اور (وہ جانتا ہے) جس قدر رحم سکڑتے ہیں یا بڑھتے ہیں۔''

جب حمل ٹھہر جاتا ہے تو رحم سکڑتا ہے اور جب بچہ بڑھتا ہے تو اس کے بڑھنے سے رحم پھیلتا ہے۔ ایک ایک مادہ کے اندر ہونے والی اس طرح کی ایک ایک تبدیلی کو اللہ خوب جانتا ہے۔

﴿وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿۸﴾﴾ ''اور ہر چیز اُس کے ہاں اندازے کے مطابق ہے۔''

اس کائنات کا پورا نظام ایک طے شدہ حکمت عملی کے تحت چل رہا ہے جہاں ہر چیز کی مقدار اور ہر کام کے لیے قاعدہ اور قانون مقرر ہے۔

آیت ۹ ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ﴿۹﴾﴾ ''وہ جاننے والا ہے غیب اور ظاہر کا' (وہ) بہت بڑا' بہت بلندی والا ہے۔''

آیت ۱۰ ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّیْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾﴾ ''(اُس کے علم میں) برابر ہیں تم میں سے جو بات کو (دل میں) چھپائیں اور جو اسے (بلند آواز سے) ظاہر کریں اور وہ جو رات کی تاریکی میں چھپے ہوئے ہوں اور جو دن کی روشنی میں چلتے پھرتے ہوں۔''

غیاب کی صورت ہو یا ظہور کا عالم' اللہ کے علم کے سامنے سب برابر ہے۔ ہر چیز اور اس کی ہر کیفیت ہر آن اس کے سامنے حاضر و موجود ہے۔

آیت ۱۱ ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اس (انسان) کے لیے باری باری آنے والے (پہرے دار مقرر) ہیں' وہ اس کے سامنے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اللہ کے حکم سے۔''

یہ مضمون اس سے پہلے ہم سورۃ الانعام (آیت ۶۱) میں بھی پڑھ چکے ہیں: ﴿وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تمہارے اوپر محافظ بھیجتا ہے۔ اللہ کے مقرر کردہ یہ فرشتے اللہ کی مشیت کے مطابق ہر وقت انسان کی حفاظت کرتے رہتے ہیں' حتیٰ کہ اس کی موت کا وقت آ پہنچتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ ''یقیناً اللہ کسی قوم کے حالات نہیں بدلتا' جب تک کہ وہ خود نہیں بدل دیتے اُس (کیفیت) کو جو اُن کے دلوں میں ہے۔''

آپ اپنی باطنی کیفیت کو بدلیں گے' اس کے لیے محنت کریں گے تو اللہ کی طرف سے بھی آپ کے معاملے میں تبدیلی کر دی جائے گی۔ مولانا ظفر علی خان نے اس آیت کی ترجمانی ان خوبصورت الفاظ میں کی ہے:

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

﴿وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾﴾ ''اور جب اللہ کسی قوم کے لیے کسی بری شے (عذاب) کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اس کو لوٹانے والا کوئی نہیں ہے' اور نہیں ہے ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔''

آیت ۱۲ ﴿هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾﴾ ''وہی ہے جو تمہیں دکھاتا ہے بجلی (کی چمک) خوف سے بھی اور امید سے بھی' اور وہ اٹھاتا ہے بڑے بوجھل بادل۔''

گہرے بادلوں کی گرج چمک میں خوف کے سائے بھی ہوتے ہیں اور امید کی روشنی بھی کہ شاید اس بارش سے فصلیں لہلہا اٹھیں اور ہماری قحط سالی خوشحالی میں بدل جائے۔ یعنی ایسی صورت حال میں خوف و رجاء کی کیفیت ایک ساتھ دلوں پر طاری ہوتی ہے۔

آیت ۱۳ ﴿وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ﴾ ''اور تسبیح کرتی ہے کڑک اُس کی حمد کے ساتھ اور فرشتے (بھی) اس کے خوف سے''

یہ گرج اور کڑک کی آواز دراصل اللہ کی تسبیح و تحمید ہی کا ایک انداز ہے۔

﴿وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''اور وہ بھیجتا ہے کڑک دار بجلیاں' پھر وہ گرا دیتا ہے انہیں جس پر چاہتا ہے''

﴿وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ⑬﴾ ''اور وہ (اُس وقت) اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ اور اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔''

آیت ۱۴ ﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ﴾ ''اُسی کا پکارنا حق ہے۔''

یعنی اللہ ہی ایک ہستی ہے جس کو پکارنا' جس سے دعا کرنا برحق ہے' کیونکہ ایک وہی ہے جو تمہاری پکار کو سنتا ہے' تمہاری حاجت کو جانتا ہے' تمہاری حاجت روائی کرنے پر قادر ہے' اس لیے اس کو پکارنا حق بھی ہے اور سودمند بھی۔ اسے چھوڑ کر کسی اور کو پکارو گے' چاہے وہ کوئی فرشتہ ہو' ولی ہو یا نبی' کوئی تمہاری پکار اور فریاد کو نہیں سنے گا' اور جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے' تمہاری ہر ایسی پکار اکارت جائے گی۔ اس فقرے کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ ''اُسی کی دعوت حق ہے''۔ یعنی جس چیز کی دعوت وہ دے رہا ہے' جس راستے کی طرف وہ بلا رہا ہے وہی حق ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ ''اور جن کو یہ لوگ پکار رہے ہیں اُس کے سوا' وہ ان کی دعا کو کسی طرح بھی قبول نہیں کرتے''

وہ ان کی کوئی بھی دادرسی نہیں کر سکتے۔

﴿اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ﴾ ''مگر جیسے کوئی پھیلا دے اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف کہ وہ اُس کے منہ تک پہنچ جائے' حالانکہ وہ اس (کے منہ) تک پہنچنے والا نہیں ہے۔''

جیسے اپنے ہاتھ پھیلا کر پانی کو اپنے منہ کی طرف بلانا ایک کارِعبث ہے' اسی طرح کسی غیر اللہ کو پکارنا' اُس کے سامنے گڑگڑانا اور اس سے دادرسی کی امید رکھنا بھی کارِعبث ہے۔

﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ⑭﴾ ''اور کافروں کی دعا تو بالکل بے کار ہے۔''

یہ لوگ جو اللہ کے علاوہ کسی کو پکارتے ہیں ان کی یہ پکار لاحاصل ہے' ایک تیر بے ہدف اور صدا بہ صحرا ہے۔

آیت ۱۵ ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ

وَالْاٰصَالِ ⑮﴾ ''اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے' آمادگی کے ساتھ بھی اور مجبوراً بھی' اور اُن کے سائے بھی صبح وشام (اُسی کو سجدہ کرتے ہیں)۔''

صبح کے وقت جب سورج نکلتا ہے اور سائے زمین پر لمبے ہو کر پڑے ہوتے ہیں وہ اس حالت میں اللہ کو سجدہ کر رہے ہوتے ہیں اور اسی طرح شام کو غروبِ آفتاب کے وقت بھی یہ سائے حالت سجدہ میں ہوتے ہیں۔

آیت ۱۶ ﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ﴾ ''(ان سے) پوچھئے کون ہے آسمانوں اور زمین کا مالک؟ کہیے اللہ ہی ہے!''

﴿قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ﴾ ''کہیے کیا تم نے اُس کو چھوڑ کر ایسے حمایتی بنا لیے ہیں جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے؟''

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ﴾ ''(ان سے) پوچھئے کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا؟ یا کیا برابر ہیں اندھیرے اور روشنی؟''

﴿اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ ''کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک ٹھہرا لیے ہیں جنہوں نے تخلیق کی ہے اُس کی تخلیق کی طرح' تو یہ تخلیق اُن پر مشتبہ ہو گئی ہے؟''

یعنی ان مشرکین کا معاملہ تو یوں لگتا ہے جیسے اُن کے معبودوں نے بھی کچھ مخلوق پیدا کر رکھی ہے اور کچھ مخلوق اللہ کی ہے۔ اب وہ بے چارے اس شش وپنج میں پڑے ہوئے ہیں کہ کون سی مخلوق کو اللہ سے منسوب کریں اور کس کس کو اپنے ان معبودوں کی مخلوق مانیں! جب ایسا نہیں ہے اور وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس کا خالق اور مالک اللہ ہے تو پھر اللہ کو اکیلا اور واحد معبود ماننے میں وہ کیوں شکوک وشبہات کا شکار ہو رہے ہیں؟

﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑯﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ ہی خالق ہے ہر شے کا' اور وہ ہے یکتا' سب پر حاوی۔''

آیت ۱۷ ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا﴾ ''وہ آسمان سے پانی

برساتا ہے' پھر تمام ندیاں بہنے لگتی ہیں اپنی اپنی وسعت کے مطابق''

قرآن چونکہ حجاز میں نازل ہو رہا تھا اس لیے اس میں زیادہ تر مثالیں بھی اسی سرزمین سے دی گئی ہیں۔ اس مثال میں بھی علاقہ حجاز کے پہاڑی سلسلوں اور وادیوں کا ذکر ہے' کہ جب بارش ہوتی ہے تو ہر وادی میں اُس کی وسعت کے مطابق سیلابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کسی وادی کا catchment area زیادہ ہے تو وہاں زیادہ زوردار سیلاب آ جاتا ہے اور جس کا کم ہے وہاں تھوڑا سیلاب آ جاتا ہے۔

﴿فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ﴾ ''پھر اٹھا لاتا ہے سیلاب اُبھرتے جھاگ کو۔''

پانی جب زور سے بہتا ہے تو اس کے اوپر جھاگ سا بن جاتا ہے۔ لیکن اس جھاگ کی کوئی حقیقت اور وقعت نہیں ہوتی۔

﴿وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ﴾ ''اور جن (دھاتوں) کو یہ لوگ آگ پر تپاتے ہیں زیور یا دوسری چیزیں بنانے کے لیے ان پر بھی اسی طرح کا جھاگ اُبھرتا ہے۔''

﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ﴾ ''اسی طرح اللہ حق و باطل کو ٹکراتا ہے۔''

اس کا دوسرا ترجمہ یوں ہوگا: ''اسی طرح اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے۔''

﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ﴾ ''تو جو جھاگ ہے وہ خشک ہو کر زائل ہو جاتا ہے۔''

جھاگ کی کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں ہوتی' اصل نتائج کے اعتبار سے اس کا ہونا یا نہ ہونا گویا برابر ہے۔

﴿وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ ''اور جو چیز لوگوں کے لیے مفید ہوتی ہے وہ ٹھہر جاتی ہے زمین میں۔''

سیلاب کا پانی زمین میں جذب ہو کر فائدہ مند ثابت ہوتا ہے جبکہ جھاگ ضائع ہو جاتا ہے' اسی طرح پگھلی ہوئی دھات کے اوپر پھولا ہوا جھاگ اور میل کچیل فضول چیز ہے' اصل خالص دھات اس جھاگ کے نیچے کٹھالی کی تہہ میں موجود ہوتی ہے جس سے زیور یا کوئی دوسری قیمتی چیز بنائی جاتی ہے۔

﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ⑰﴾ ''اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔''

یہ آیت کارل مارکس کے dialectical materialism کے فلسفے کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ اس فلسفے کا جتنا حصہ درست ہے وہ اس آیت میں موجود ہے۔ دورِ جدید کے یہ جتنے بھی نظریے (theories) ہیں ان میں سے ہر ایک میں کچھ نہ کچھ سچائی موجود ہے۔ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء ہو یا فرائیڈ اور مارکس کے نظریات' ان میں سے کوئی بھی سو فیصد غلط نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان نظریات میں غلط اور درست خیالات گڈ مڈ ہیں۔ جہاں تک مارکس کے نظریہ جدلیاتی مادیت (dialectical materialism) کا تعلق ہے اس کے مطابق کسی معاشرے میں ایک خیال یا نظریہ جنم لیتا ہے جس کو thesis کہا جاتا ہے۔ اس کے ردِعمل کے طور پر اینٹی تھیسس (antithesis) وجود میں آتا ہے۔ پھر یہ تھیسس اور اینٹی تھیسس ٹکراتے ہیں اور ان کے ٹکرانے سے ایک نئی شکل پیدا ہوتی ہے جسے سن تھیسس (synthesis) کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ اس نظریہ کی بہتر شکل ہوتی ہے مگر یہ بھی اپنی جگہ کامل نہیں ہوتی' اس کے اندر بھی نقائص موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ اِسی سن تھیسس کی کوکھ سے ایک اور اینٹی تھیسس جنم لیتا ہے۔ ان کا پھر آپس میں اسی طرح ٹکراؤ ہوتا ہے اور پھر ایک نیا سن تھیسس وجود میں آتا ہے۔ یہ عمل (process) اسی طرح بتدریج آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس تصادم میں جو چیز فضول' غلط اور بیکار ہوتی ہے وہ ضائع ہوتی رہتی ہے' مگر جو علم اور خیال معاشرے اور نسل انسانی کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے۔

دورِ جدید کے بیشتر نظریے (theories) ایسے لوگوں کی تخلیق ہیں جن کے علم اور سوچ کا انحصار کلی طور پر مادے پر تھا۔ یہ لوگ روح اور اس کی حقیقت سے بالکل نابلد تھے۔ بنیادی طور پر یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں کے اخذ کردہ نتائج اکثر و بیشتر غلط اور گمراہ کن تھے۔ بہرحال اس سارے عمل (process) میں غلط اور باطل خیالات و مفروضات خود بخود چھٹتے رہتے ہیں اور نسل انسانی کے لیے مفید علوم کی تطہیر (purification) ہوتی رہتی ہے۔ سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۸ میں یہ حقیقت اس طرح واضح کی گئی ہے: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ﴾ ''ہم دے مارتے ہیں حق کو باطل پر' تو وہ باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے' پھر وہ (باطل) غائب ہو جاتا ہے''۔ حق و باطل اور خیر و شر کی اس کش مکش کے ذریعے سے گویا نسلِ انسانی تدریجاً تمدن اور ارتقاء کے مراحل طے کرتے ہوئے رفتہ رفتہ بہتری کی طرف آ رہی ہے۔

علامہ اقبال کے مطابق نسلِ انسانی کے لیے کامل بہتری یا حتمی کامیابی اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کی تعمیل میں پوشیدہ ہے جس کا کامل عملی نمونہ اس دنیا میں پندرہ سو سال پہلے نبی

آخر الزماں ﷺ نے پیش کیا تھا۔ ارتقاءِ فکر انسانی کے سفر کے نام پر انسانی تمدن کے چھوٹے بڑے تمام قافلے شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی مینارۂ نور (light house) کی طرف رواں دواں ہیں۔ اگر کسی ماحول میں روشنی کی کوئی کرن اجالا بکھیرتی نظر آتی ہے تو وہ اسی منبع نور کی مرہونِ منت ہے۔ اور اگر کسی ماحول کے حصے کی تاریکیاں ابھی تک گہری ہیں تو جان لیجئے کہ وہ اپنی اس فطری اور حتمی منزل سے ہنوز دور ہے۔ اس سلسلے میں اقبالؔ کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
زانکہ از خاکش بروید
یا زنورِ مصطفیٰ ﷺ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

آیت ۱۸ ﴿لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ﴾ ’’جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا ان کے لیے بھلائی ہے۔‘‘

﴿وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ﴾ ’’اور جنہوں نے اُس کی دعوت کو قبول نہیں کیا‘ اگر ان کے پاس ہو جو کچھ ہے زمین میں سب کا سب اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی تو وہ (یہ سب کچھ) ضرور بدلے میں دے ڈالیں۔‘‘

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾﴾ ’’یہی لوگ ہیں جن کے لیے بُرا حساب ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے‘ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔‘‘

یعنی ان کے حساب کا جو نتیجہ نکلنے والا ہے وہ ان کے حق میں بہت برا ہوگا۔

آیات ۱۹ تا ۲۶

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ

السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ ؕ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

آیت ۱۹ ﴿اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ آپ پر آپ کے ربّ کی طرف سے نازل کیا گیا وہ حق ہے‘ بھلا اُس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہے؟‘‘

﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾﴾ ’’یقیناً نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔‘‘

آیت ۲۰ ﴿الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾﴾ ’’وہ لوگ جو اللہ کے (ساتھ کیے گئے) عہد کو پورا کرتے ہیں اور قول و قرار کو توڑتے نہیں ہیں۔‘‘

قبل ازیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ میں بھی ہم ان سے ملتے جلتے یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ﴾۔ اللہ کے ساتھ کیے گئے معاہدوں میں سے ایک تو وہ عہد الست ہے (بحوالہ الاعراف: ۱۷۲) جو ہم نے عالم ارواح میں اللہ کے ساتھ کیا ہے‘ پھر ہر بندۂ مؤمن کا میثاق شریعت ہے کہ میں اللہ کے تمام احکامات کی تعمیل کروں گا۔ پھر اللہ کا مؤمن کے ساتھ کیا گیا وہ سودا بھی ایک عہد ہے جس کا ذکر سورۃ التوبہ‘ آیت ۱۱۱ میں ہے اور جس کے مطابق اللہ نے مؤمنین کے جان و مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ آیت زیر نظر میں یہ ان خوش قسمت لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ کے ساتھ کیے گئے تمام عہد درجہ بدرجہ پورے کرتے ہیں۔

آیت ۲۱ ﴿وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾﴾ ’’اور جو لوگ جوڑتے ہیں اُس کو جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے‘ اور جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں بُرے حساب کا۔‘‘

وہ لوگ قرابت کے رشتوں کو جوڑتے ہیں‘ یعنی صلۂ رحمی کرتے ہیں اور حسابِ آخرت کے نتائج کی برائی سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے ہیں کہ اس دن حساب کے نتائج منفی ہونے کی صورت میں کہیں ہماری شامت نہ آجائے۔

آیت ۲۲ ﴿وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ ’’اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے‘ اور نماز قائم کی‘ اور خرچ کیا اس میں سے جو ہم نے انہیں دیا تھا پوشیدہ طور پر بھی اور علانیہ بھی‘‘

﴿وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾﴾ ’’اور وہ بھلائی سے برائی کو دور کرتے ہیں‘ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دارِ آخرت کی کامیابی ہے۔‘‘

وہ برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے‘ بلکہ کوئی شخص اگر ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ جواباً اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آتے ہیں تاکہ اس کے اندر اگر نیکی کا جذبہ موجود ہے تو وہ جاگ جائے۔ (اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!)

آیت ۲۳ ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾﴾ ’’(آخرت کا گھر) وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے‘ جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو بھی صالح ہوں گے ان کے آباء‘ ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے‘ اور ہر دروازے سے جنت کے فرشتے ان کے سامنے حاضر ہوں گے۔‘‘

آیت ۲۴ ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾﴾ ’’(اور کہیں گے) سلامتی ہو آپ پر بسبب اس کے جو آپ لوگوں نے صبر کیا‘ تو کیا ہی اچھا ہے یہ آخرت کا گھر!‘‘

جنت میں اپنے آباء و اَجداد اور اہل و عیال میں سے صالح لوگوں کی معیت گویا اللہ کی طرف سے اپنے نیک بندوں کے لیے ایک اعزاز ہوگا‘ اور اس کے لیے اگر ضرورت ہوئی تو ان کے ان رشتہ داروں کے درجات بھی بڑھا دیے جائیں گے۔ مگر یہاں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اہل جنت کے جو قرابت دار کفار اور مشرکین تھے‘ ان کے لیے رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی‘ بلکہ اس رعایت سے صرف وہ اہل ایمان مستفیض ہوں گے جو ’’صالحین‘‘ کی baseline پر پہنچ چکے ہوں گے۔ یعنی سورۃ النساء‘ آیت ۶۹ میں جو مدارج بیان ہوئے ہیں ان کے اعتبار

سے جو مسلمان کم سے کم درجے کی جنت میں داخلے کا مستحق ہو چکا ہوگا‘ اس کے مدارج اس کے کسی قرابت دار کی وجہ سے بڑھا دیے جائیں گے جو جنت میں اعلیٰ مراتب پر فائز ہوگا۔ مثلاً ایک شخص کو جنت میں بہت اعلیٰ مرتبہ عطا ہوا ہے‘ اب اس کا باپ ایک صالح مسلمان کی baseline پر پہنچ کر جنت میں داخل ہونے کا مستحق تو ہو چکا ہے مگر جنت میں اس کا درجہ بہت نیچے ہے‘ تو ایسے شخص کے مراتب بڑھا کر اسے اپنے بیٹے کے ساتھ اعلیٰ درجے کی جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

آیت ۲۵ ﴿وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ’’اور (اس کے برعکس) وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ کے عہد کو اس کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان (رشتوں) کو جن کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔‘‘

قبل ازیں سورۃ البقرۃ‘ آیت ۲۷ میں بھی ہم بعینہٖ یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ وہاں اس حوالے سے کچھ وضاحت بھی ہو چکی ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾﴾ ’’یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہوگی اور ان کے لیے برا گھر (جہنم) ہے۔‘‘

آیت ۲۶ ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ ’’اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ناپ تول کر رزق دیتا ہے۔‘‘

﴿وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾﴾ ’’اور یہ لوگ مگن ہیں دنیا کی زندگی پر‘ حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے سوائے تھوڑے سے فائدے کے۔‘‘

جو لوگ اُخروی زندگی کے انعامات کے اُمیدوار نہیں ہیں ان کی جُہد و کوشش کی جولان گاہ یہی دنیوی زندگی ہے۔ ان کی تمام تر صلاحیتیں اسی زندگی کی آسائشوں کے حصول میں صَرف ہوتی ہیں اور وہ اس کی زیب و زینت پر فریفتہ اور اس میں پوری طرح مگن ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے اس طرزِ عمل پر بہت خوش اور مطمئن ہوتے ہیں‘ حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل و حقیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔

آیات ۲۷ تا ۳۱

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

آیت ۲۷ ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ﴾ ’’اور کہتے ہیں یہ کافر لوگ کہ کیوں نہیں اتاری گئی اس شخص پر کوئی نشانی اس کے ربّ کی طرف سے؟‘‘

مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو‘ بار بار ان کی اسی بات اور اسی دلیل کا ذکر ہو رہا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر کوئی حسی معجزہ کیوں نہیں اُتارا گیا؟

﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝﴾ ’’آپؐ کہہ دیجیے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور اپنی طرف ہدایت اُسی کو دیتا ہے جو خود (اس کی طرف) رجوع کرے۔‘‘

جو لوگ خود ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں‘ وہ انہیں نعمتِ ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔

آیت ۲۸ ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ﴾ ’’وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں۔‘‘

دل اور روح کے لیے تسکین کا سب سے بڑا ذریعہ اللہ کا ذکر ہے اس لیے کہ انسان کی

روح اس کے دل کی مکین ہے اور روح کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۸۵ میں فرمایا گیا: ﴿وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں‘ آپ فرمائیں کہ روح میرے پروردگار کے امر میں سے ہے‘‘۔ لہٰذا جس طرح انسانی جسم کی حیات کا منبع (source) یہ زمین ہے اور جسم کی نشوونما اور تقویت کا سارا سامان زمین ہی سے مہیا ہوتا ہے اسی طرح انسانی روح کا منبع ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور اس کی نشوونما اور تقویت کے لیے غذا کا سامان بھی وہیں سے آتا ہے۔ چنانچہ روح امر اللہ ہے اور اس کی غذا ذکر اللہ اور کلام اللہ ہے۔

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔‘‘

دنیوی مال و متاع اور سامانِ عیش و آسائش کی بہتات سے نفس اور جسم کی تسکین کا سامان تو ہو سکتا ہے‘ یہ چیزیں دل کے سکون و اطمینان کا باعث نہیں بن سکتیں۔ دل کو یہ دولت نصیب ہو گی تو اللہ کے ذکر سے ہو گی۔

آیت ۲۹ ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝﴾ ’’جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے مبارک باد ہے اور لوٹنے کا بہت اچھا مقام ہے۔‘‘

آیت ۳۰ ﴿كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) اسی طرح ہم نے آپ کو بھیجا ہے ایک ایسی امت میں جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ تلاوت کر کے سنائیں ان لوگوں کو وہ (کتاب) جو ہم نے وحی کی ہے آپ کی طرف درآں حالیکہ یہ لوگ رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں۔‘‘

اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نام ’’الرحمٰن‘‘ عرب میں پہلے سے متعارف تھا مگر مشرکین مکہ ’’اللہ‘‘ ہی کو جانتے اور مانتے تھے‘ اس لیے وہ اس نام سے بدکتے تھے اور عجیب انداز میں پوچھتے تھے کہ یہ رحمٰن کون ہے؟ (الفرقان:۶۰)

﴿قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ’’کہہ دیجیے کہ وہ میرا رب ہے‘ اُس کے سوا

اور کوئی معبود نہیں۔‘‘

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ۝۳۰﴾ ’’اُسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔‘‘

آیت ۳۱ ﴿وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ﴾ ’’اور اگر ہوتا کوئی ایسا قرآن جس کے ذریعے سے پہاڑ چل پڑتے‘ یا زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے یا کلام کرتے اس کے ذریعے مُردے (تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے)۔‘‘

یہاں پھر حسی معجزوں کے بارے میں مشرکین کے مطالبے کا جواب دیا جا رہا ہے۔ سورۃ الانعام میں یہ مضمون تفصیل سے گزر چکا ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہم نے کوئی ایسا قرآن اتارا ہوتا جس کی تاثیر سے طرح طرح کے حسی معجزات کا ظہور ہوتا تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ یہ قرآن ہر اُس شخص کے لیے سراپا معجزہ ہے جو واقعی ہدایت کا خواہش مند ہے۔ یہ طالبانِ حق کے دلوں کو گداز کرتا ہے‘ ان کی روح کو تازگی بخشتا ہے‘ ان کے لاشعور کے اندر خوابیدہ ایمانی حقائق کو جگاتا ہے۔ ایسے لوگ اپنی ہدایت کا تمام سامان اس قرآن کے اندر موجود پاتے ہیں۔

﴿بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ﴾ ’’بلکہ اختیار تو کُل کا کُل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا اہل ایمان اس پر مطمئن نہیں ہو جاتے کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ہدایت دے دیتا؟‘‘

اہل ایمان کو تو یہ یقین ہے نا کہ اگر اللہ چاہتا تو دنیا کے تمام انسانوں کو ہدایت دے سکتا تھا‘ اور اگر اُس نے ایسا نہیں کیا تو یہ ضرور اسی کی مشیت ہے۔ لہٰذا اس یقین سے اُن کو تو دل جمعی اور اطمینان حاصل ہو جانا چاہیے۔

﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ﴾ ’’اور جو کافر ہیں ان کو برابر پہنچتی رہے گی ان کے اعمال کے سبب کوئی نہ کوئی آفت‘ یا ان کے گھروں کے قریب اترتی رہے گی‘ یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۳۱﴾ ’’یقیناً اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔‘‘

ان لوگوں کے کرتوتوں کی پاداش میں ان پر کوئی نہ کوئی آفت اور مصیبت نازل ہوتی رہے گی۔ وہ مسلسل خوف کی کیفیت میں مبتلا رہیں گے‘ یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے۔

آیات ۳۲ تا ۳۷

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۳۲ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۳۳ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۳۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۠ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝۳۵ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝۳۶ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝۳۷

آیت ۳۲ ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا‘ تو میں نے ڈھیل دی (کچھ عرصہ کے لیے) کافروں کو‘ پھر میں نے ان کو پکڑ لیا۔‘‘

﴿فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۳۲﴾ ’’تو کیسا رہا میرا عذاب!‘‘

ذرا تصور کریں قومِ نوحؑ‘ قومِ ہودؑ، قومِ صالحؑ‘ قومِ لوطؑ‘ قومِ شعیبؑ اور آلِ فرعون کے انجام کا اور پھر سوچیں کہ ان نافرمان قوموں کی جب گرفت ہوئی تو وہ کس قدر عبرتناک تھی۔

آیت ۳۳ ﴿اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ﴾ ’’تو کیا وہ ہستی جو ہر جان سے محاسبہ کرنے والی ہے جو اُس نے کمائی کی ہے (اوروں کی طرح ہو سکتی ہے؟)‘‘

اللہ تعالیٰ ہر آن ہر شخص کے ساتھ موجود ہے اور اس کی ایک ایک حرکت اور اس کے ایک ایک عمل پر نظر رکھتا ہے۔ کیا ایسی قدرت کسی اور کو حاصل ہے؟

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ﴾ ''اور انہوں نے اللہ کے شریک بنا لیے ہیں۔''

انہوں نے ایسی بصیر، خبیر اور عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہستی کے مقابلے میں کچھ معبود گھڑ لیے ہیں، جن کی کوئی حیثیت نہیں۔

﴿قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّـــُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ﴾ ''آپؐ کہیے! ذرا ان کے نام تو بتاؤ! کیا تم اللہ کو جتانا چاہتے ہو وہ شے جو وہ نہیں جانتا زمین میں؟''

یعنی اللہ جو اس قدر علیم اور بصیر ہستی ہے کہ اپنے ہر بندے کے ہر خیال اور ہر فعل سے واقف ہے، تو تم لوگوں نے جو بھی معبود بنائے ہیں کیا اُن کے پاس اللہ سے زیادہ علم ہے؟ کیا تم اللہ کو ایک نئی بات کی خبر دے رہے ہو جس سے وہ ناواقف ہے؟

﴿اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ﴾ ''یا تم صرف سطحی سی بات کرتے ہو؟''

یعنی یونہی جو منہ میں آتا ہے تم لوگ کہہ ڈالتے ہو اور ان شریکوں کے بارے میں تمہارے اپنے دعوے کھوکھلے ہیں۔ تمہارے ان دعووں کی بنیادوں میں یقین کی پختگی نہیں ہے۔ ان کے بارے میں تمہاری ساری باتیں سطحی نوعیت کی ہیں، عقلی اور منطقی طور پر تم خود بھی اُن کے قائل نہیں ہو۔

﴿بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۭ﴾ ''بلکہ ان کافروں کے لیے ان کی مکاریاں مزین کر دی گئی ہیں، اور وہ روک دیے گئے ہیں (سیدھے) راستے سے۔''

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾﴾ ''اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔''

اب گویا ان کے دل اُلٹ دیے گئے ہیں، ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے اور ان کے اعمال کو دیکھتے ہوئے اللہ نے ان کی گمراہی کے بارے میں آخری فیصلہ دے دیا ہے۔ اب ان کو کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔

آیت ۳۴ ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ﴾ ''ان کے لیے

عذاب ہے دنیا کی زندگی میں بھی، اور آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔''

﴿وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٣٤﴾﴾ ''اور نہیں ہوگا کوئی بھی ان کو اللہ سے بچانے والا۔''

آیت ۳۵ ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ﴾ ''مثال اُس جنت کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقیوں سے، اس کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی، اس کے پھل بھی ہمیشہ قائم رہنے والے ہوں گے اور اس کے سائے بھی۔''

﴿تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۡ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿٣٥﴾﴾ ''یہ ہے انجام ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی، اور کافروں کا انجام تو آگ ہے۔''

آیت ۳۶ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ ''اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی وہ خوش ہو رہے ہیں اس (قرآن) سے جو (اے نبی ﷺ!) آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے''

یہ مدینہ کے اہل کتاب میں سے نیک سرشت لوگوں کا ذکر ہے۔ اُن کو جب خبریں ملتی تھیں کہ مکہ میں آخری نبی ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے تو وہ ان خبروں سے خوش ہوتے تھے۔

﴿وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ﴾ ''اور بعض گروہوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں۔''

﴿قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿٣٦﴾﴾ ''آپؐ کہیے کہ مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی بندگی کروں اور اس کے ساتھ شرک نہ کروں، اُسی کی طرف میں بلا رہا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔''

آیت ۳۷ ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے اس کو اتارا ہے عربی میں قولِ فیصل بنا کر۔''

''حکم'' بمعنی ''فیصلہ''، یعنی یہ قرآنِ عربی قولِ فیصل بن کر آیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الطارق میں فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾﴾ ''یہ کلام (حق کو باطل سے) جدا کرنے والا ہے اور کوئی بے ہودہ بات نہیں ہے۔''

﴿وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ

وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح علم آ چکا ہے تو نہیں ہوگا آپ کے لیے بھی اللہ کی طرف سے نہ کوئی حمایتی اور نہ کوئی بچانے والا۔''

آیات ۳۸ تا ۴۳

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتٰبٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

آیت ۳۸ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ﴾ ''اور ہم نے بھیجا رسولوں کو آپ ؐ سے پہلے بھی اور ہم نے بنائیں ان کے لیے بیویاں بھی اور اولاد بھی۔''

آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں وہ سب عام انسانوں کی طرح پیدا ہوئے (سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے)' پھر انہوں نے نکاح بھی کیے اور ان کی اولادیں بھی ہوئیں۔

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتٰبٌ ﴿۳۸﴾﴾ ''اور کسی رسول کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ کوئی نشانی (معجزہ) لے آتا مگر اللہ کے اِذن سے۔ ہر شے کے لیے ایک مقرر وقت لکھا ہوا ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾﴾ ''اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے' اور اُسی کے پاس ہے اُمّ الکتاب۔''

اُمّ الکتاب یعنی اصل کتاب اللہ کے پاس ہے۔ سورۃ الزخرف میں اس کے متعلق یوں

فرمایا گیا ہے: ﴿وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۴﴾﴾ ''اور یہ اصل کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں ہمارے پاس ہے جو بڑی فضیلت اور حکمت والی ہے۔'' آپ اسے لوحِ محفوظ کہیں' اُم الکتاب کہیں یا کتابِ مکنون کہیں' اصل قرآن اس کے اندر ہے۔ یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے یہ اُس کی مصدقہ نقل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت اور مہربانی سے حضور ﷺ کی وساطت سے ہمیں دنیا میں عطا کر دیا ہے۔

آیت ۴۰ ﴿وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ ''اور خواہ ہم دکھا دیں آپ کو اس کا کچھ حصہ جس کی ہم ان کو دھمکی دے رہے ہیں' یا ہم آپ ؐ کو وفات دے دیں''

یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ؐ کی زندگی ہی میں ان کو عذابِ الٰہی میں سے کچھ حصہ مل جائے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں ان پر ایسا وقت نہ آئے' بلکہ عذاب کے ظہور میں آنے سے پہلے ہم آپ ؐ کو وفات دے دیں۔

﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾﴾ ''پس آپ ؐ کے ذمہ تو پہنچانا ہی ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے۔''

آپ ﷺ پر ہمارا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری تھی' سو آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری احسن طریقہ سے ادا کر دی۔ اب اُن کو ہدایت دینا یا نہ دینا' اُن پر عذاب بھیجنا یا نہ بھیجنا اور ان کا حساب لینا' یہ سب کچھ ہمارے ذمے ہے اور ہم یہ فیصلے اپنی مشیت کے مطابق کریں گے۔

آیت ۴۱ ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ﴾ ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو گھٹاتے چلے آ رہے ہیں اس کے کناروں سے؟''

﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾﴾ ''اور اللہ ہی فیصلہ کرتا ہے' کوئی نہیں پیچھے ڈالنے والا اس کے حکم کو' اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔''

یہ مضمون سورۃ الانبیاء میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں' تو کیا اب یہ غالب آنے والے ہیں؟'' یہ اُس دَور کی طرف اشارہ ہے جب مشرکین مکہ نے مکہ کے اندر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی کی بھٹی پورے زور شور سے دہکا رکھی تھی اور وہ لوگ اس میں اپنے سارے وسائل اس اُمید پر جھونکے جا رہے تھے کہ ایک دن محمد ﷺ اور آپ ؐ کی اس تحریک کو نیچا دکھا کر رہیں گے۔

اس صورتِ حال میں انہیں مکہ کے مضافاتی علاقوں (اُمّ القریٰ وَ مَنْ حَوْلَھَا) کے معروضی حالات کے حوالے سے مستقبل کی ایک امکانی جھلک دکھائی جارہی ہے کہ بے شک ابھی تک مکہ کے اندر تمہاری حکمت عملی کسی حد تک کامیاب ہے' لیکن کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ مکہ کے آس پاس کے قبائل کے اندر اس دعوت کے اثر و نفوذ میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے اور اس کے مقابلے میں تمہارا حلقہ اثر روز بروز سکڑتا چلا جا رہا ہے۔ جیسے قبیلہ بنی غفار کے ایک نوجوان ابوذر ؓ یہ دعوت قبول کر کے اپنے قبیلے میں ایک مبلغ کی حیثیت سے واپس گئے ہیں اور آپؐ کی وساطت سے یہ دعوت اس قبیلے میں بھی پہنچ گئی ہے۔ یہی حال اردگرد کے دوسرے قبائل کا ہے۔ ان حالات میں کیا تمہیں نظر نہیں آرہا کہ یہ دعوت رفتہ رفتہ تمہارے چاروں طرف سے تمہارے گرد گھیرا تنگ کرتی چلی جارہی ہے؟ اب وہ وقت بہت قریب نظر آرہا ہے جب تمہارے اردگرد کا ماحول اسلام قبول کر لے گا اور تم لوگ اس کے دائرہ اثر کے اندر محصور ہو کر رہ جاؤ گے۔

اس آیت میں جس صورتِ حال کا ذکر ہے اس کا عملی مظاہرہ ہجرت کے بعد بہت تیزی کے ساتھ سامنے آیا۔ حضور ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ایک طرف قریشِ مکہ کے لیے ان کی تجارتی شاہراہوں کو مخدوش بنا دیا تو دوسری طرف مدینہ کے آس پاس کے قبائل کے ساتھ سیاسی معاہدات کر کے اس پورے علاقے سے قریش مکہ کے اثر و رسوخ کی بساط لپیٹ دی۔ مدینہ کے مضافات میں آباد بیشتر قبائل قریشِ مکہ کے حلیف تھے مگر اب ان میں سے اکثر یا تو مسلمانوں کے حلیف بن گئے یا انہوں نے غیر جانبدار رہنے کا اعلان کر دیا۔ قریش مکہ کی معاشی ناکہ بندی (economic blockade) اور سیاسی انقطاع (political isolation) کے لیے رسول اللہ ﷺ کے یہ اقدامات اس قدر مؤثر تھے کہ اس کے بعد انہیں اپنے اردگرد سے سکڑتی ہوئی زمین بہت واضح انداز میں دکھائی دینے لگی۔

دراصل فلسفۂ سیرت کے اعتبار سے یہ بہت اہم موضوع ہے مگر بہت کم لوگوں نے اس پر توجہ دی ہے۔ میں نے اپنی کتاب ''منہج انقلاب نبوی ﷺ'' میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

آیت ۴۲ ﴿وَقَدْ مَکَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ﴾ ''اور جو ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی بڑی چالیں چلی تھیں''

اپنے اپنے دَور میں منکرینِ حق نے انبیاء و رسل کی دعوتِ حق کو روکنے کے لیے سازشوں کے خوب جال پھیلائے تھے اور بڑی بڑی منصوبہ بندیاں کی تھیں۔

﴿فَلِلّٰهِ الْمَکْرُ جَمِیْعًا ط﴾ ''لیکن ساری کی ساری تدبیریں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی تدبیروں اور سازشوں کا مکمل طور پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کی مشیت کے خلاف ان کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔

﴿یَعْلَمُ مَا تَکْسِبُ کُلُّ نَفْسٍ ط وَسَیَعْلَمُ الْکُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَی الدَّارِ ﴿۴۲﴾﴾ ''وہ جانتا ہے ہر جان جو کچھ کماتی ہے۔ اور عنقریب معلوم ہو جائے گا ان کافروں کو کہ دارِ آخرت کی کامیابی کس کے لیے ہے!''

دارِ آخرت کی بھلائی اور اس کا آرام کس کے لیے ہے' انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔

آیت ۴۳ ﴿وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ط﴾ ''اور یہ کافر کہتے ہیں کہ آپؐ (اللہ کے) رسول نہیں ہیں۔''

﴿قُلْ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ لا﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان''

اللہ جانتا ہے کہ میں اس کا رسول ہوں اور اُس کا جاننا میرے لیے کافی ہے۔

﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ ﴿۴۳﴾﴾ ''اور جن کے پاس کتاب کا علم ہے (وہ بھی اس پر شاہد ہیں)۔''

میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ میں اُس کا رسول ہوں اور پھر ہر اُس شخص کی گواہی جو کتابِ آسمانی کا علم رکھتا ہے۔ اللہ تو جانتا ہی ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور میرا معاملہ اُسی کے ساتھ ہے۔ اس کے علاوہ یہ اہل کتاب بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اہل کتاب کے اس معاملے کو البقرۃ:۱۴۶ اور الانعام:۲۰ میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے: ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ﴾ کہ یہ آپ ﷺ کو بحیثیت رسول ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم ' ونفعنی وایاکم بالآیات والذکر الحکیم OO

بسم اللہ ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

حلال‘ حرام اور اصلاحِ قلب

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کا ۲۸/ ستمبر ۲۰۰۷ء کا خطابِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ —— بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ (المؤمنون:۵۱)

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ (البقرۃ:۱۷۲)

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ :

((اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ، وَاِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ، وَبَیْنَہُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِہَاتٌ لَا یَعْلَمُہُنَّ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ، فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُہَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِیْنِہٖ وَعِرْضِہٖ، وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُہَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ كَالرَّاعِیْ یَرْعٰی حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِكُ اَنْ یَّرْتَعَ فِیْہِ، اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًی، اَلَا وَاِنَّ حِمَی اللّٰہِ مَحَارِمُہٗ، اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّہٗ ، وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّہٗ ، اَلَا وَہِیَ الْقَلْبُ)) (۱)

ابوعبداللہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے‘ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

’’حلال چیزوں کا حکم بالکل واضح ہے اور حرام چیزوں کا حکم بھی واضح ہے‘ اور ان دونوں (حلال وحرام) کے درمیان کچھ امور متشابہ ہیں جن کی (حلت وحرمت)

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الایمان‘ باب فقل من استبرأ لدینہ ۔وصحیح مسلم‘ کتاب المساقاۃ‘ باب اخذ الحلال وترك الشبہات۔

کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص اس قسم کی غیر واضح اشیاء سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا‘ اور جو شخص اس قسم کے امور کو اختیار کرنے لگے وہ حرام میں جا پڑے گا‘ جیسا کہ کوئی چرواہا (کسی ممنوعہ) چراگاہ کے آس پاس جانوروں کو چرائے تو ہوسکتا ہے کہ جانور چراگاہ میں جا پہنچیں۔ خبردار! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ سے مراد اُس کی حرام کردہ اشیاء ہیں۔ خبردار! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے‘ اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار! وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔‘‘

گزشتہ جمعۃ المبارک کو ’’اکلِ حلال کی اہمیت‘‘ کے عنوان کے تحت اَکلِ حلال کی اہمیت‘ حرام اشیاء‘ حرام کاموں اور حرام آمدنی سے اجتناب کی اہمیت پر مندرجہ بالا دو آیات کے حوالے سے‘ جو میں نے آج بھی تلاوت کی ہیں‘ گفتگو ہوئی تھی۔ اسی حوالے سے میں نے اربعین نووی کی حدیث نمبر ۱۰ کا مطالعہ بھی کرایا تھا☆۔ آج ہمارے زیر مطالعہ اربعین نووی کی حدیث نمبر ۶ ہے جو اسی موضوع سے متعلق ہے‘ لہٰذا آج کی گفتگو کو اسی مضمون کا تسلسل سمجھئے۔

زیر مطالعہ حدیث حضرت ابوعبداللہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی متفق علیہ حدیث ہے‘ یعنی اس کو امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے نقل کیا ہے— اس حوالے سے میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ متفق علیہ حدیث سند کے مستند ہونے کے اعتبار سے سب سے بلند درجے کی ہوتی ہے —— اس حدیث کا مضمون بہت اہم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ)) ’’حلال بالکل واضح ہے‘‘ ((وَاِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ)) ’’اور حرام بھی بالکل واضح ہے‘‘ ((وَبَیْنَہُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِہَاتٌ)) ’’اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں‘‘ یعنی کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں یقین سے کہنا مشکل ہے کہ یہ حلال ہیں یا حرام۔ ((لَا یَعْلَمُہُنَّ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ)) ’’ان کے (شرعی حکم) کے بارے میں لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی‘‘۔ البتہ رسوخ فی العلم رکھنے والے علماء وفقہاء کرام جن کی قرآن‘ حدیث وسنت‘ شریعت کے مقاصد‘ شریعت کے محکمات اور اصولِ شریعت پر گہری نظر ہو‘ وہی پہچان سکتے ہیں کہ ان مشتبہات اشیاء میں سے کون سی چیز حلال کے دائرے میں آئے گی اور کون سی حرام کے دائرے میں۔

☆ مذکورہ خطاب کے لیے ملاحظہ ہو: میثاق‘ شمارہ مارچ ۲۰۱۳ء

شرعی احکام اور اس کے درجات

فقہاء نے شرعی احکام کے بہت سے درجے قائم کیے ہیں۔ کرنے والے اعمال میں سب سے اونچا درجہ فرض کا ہے اور نہ کرنے والے اعمال میں سے سب سے سخت ترین ممانعت والی شے حرام ہے۔ فرض سے کم تر درجہ واجب کا ہے‘ یعنی فرض تو نہیں ہے‘ لیکن فرض کے قریب تر ہے —— مثلاً وتر کی نماز واجب ہے اور اس کی قضا لازم ہے —— اس کے بعد سنت کا درجہ ہے۔ اس سے بھی نیچے مستحب ہے‘ جس کا کرنا پسندیدہ ہے اور نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہے‘ جبکہ سب سے اخیر میں مباح ہے۔ یہ تمام درجات اوامر یعنی کرنے والے کاموں کے ہیں‘ لیکن اگر جائز سے ناجائز اور اوامر سے نواہی کی طرف جائیں تو اس میں سب سے پہلے مکروہ آتا ہے۔ پھر مکروہ کی بھی دو قسمیں ہیں: سب سے نچلا درجہ مکروہ تنزیہی کا ہے اور پھر اس سے بھی آگے مکروہ تحریمی کا درجہ ہے۔ یہ اوامر میں سے واجب کے مقابلے میں ہے جو فرض کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ اسی طرح نواہی میں مکروہ تحریمی حرام کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ (شرعی احکام اور اس کی انواع واقسام کے حوالے سے تفصیلی چارٹ خطاب کے آخر میں ملاحظہ ہو!)

اب ظاہر بات ہے کہ یہ تمام درجات فقہاء نے قائم کیے ہیں اور فقیہہ کہتے ہیں تفقہ رکھنے والے اور فہم رکھنے والے شخص کو‘ جس کی شرائط مختصراً میں نے آپ کے سامنے رکھیں کہ قرآن مجید پر بڑی گہری نگاہ رکھتا ہو‘ تدبر اور غور وفکر کیا ہو‘ حدیث اور سنت پر پوری وسعت اور پوری گہرائی کے ساتھ اس کی نظر ہو‘ شریعت کے اصل مقاصد کی پہچان ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کم تر اہمیت والی شے کو اہم تر قرار دے دے اور زیادہ اہمیت والی کو کم تر قرار دے دے۔ شریعت کے اندر اور دین کے مختلف عناصر کے درمیان جو نسبت وتناسب (ratio proportion) ہے اس کی سمجھ بہت ضروری ہے۔ تو ان مشتبہ امور کے بارے میں بھی صرف ایسے ہی فقہاء علم رکھتے ہیں‘ جبکہ عوام کی اکثریت ان کے احکام سے لاعلم ہے۔

تقویٰ کا تقاضا: مشتبہات سے بچنا

مشتبہات سے بچنے کے حوالے سے یہ نوٹ کر لیں کہ اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک

اس کا قانونی پہلو ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی‘ جبکہ اس کا دوسرا اور اہم تر پہلو تقویٰ کے حوالے سے ہے۔ اس ضمن میں تقویٰ کا پہلو یہ ہے کہ تمام مشتبہ امور اور اشیاء سے بچا جائے۔ یعنی جب شبہ والی چیز ہے تو پھر کیوں اختیار کرتے ہو! چنانچہ اسی ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی بڑی پیاری حدیث ہے‘ جو آپؐ کے پیارے نواسے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ((دَعْ مَا يَرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يَرِيْبُكَ))(۱) ’’جس چیز سے تمہیں اپنے دل میں کھٹک محسوس ہو (کہ ہوسکتا ہے یہ کام غلط ہو) اسے چھوڑ دو اور وہ شے اختیار کرو جس سے تمہارے دل میں کوئی کھٹک پیدا نہ ہو‘‘ —— رَابَ يَرِيْبُ رَيْبًا کے معنی ہیں کسی کو شک یا قلق میں ڈالنا۔ چنانچہ لفظی اعتبار سے حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو چیز تمہارے اندر شکوک وشبہات پیدا کرے‘ جس سے تمہارے دل میں کسی قسم کی کوئی خلش اور کھٹک پیدا ہو تو اس کو چھوڑ دو اور اُس چیز کو اختیار کرو جس سے تمہارے دل کے اندر کوئی خلش‘ کوئی پریشانی‘ کوئی تشویش پیدا نہ ہو۔

اس حدیث میں ایک بہت اہم نکتہ بیان ہوا ہے کہ اپنی دلی کیفیت کے مطابق فیصلہ کرو۔ اب جس دل میں ایمان ہے وہ دل سب سے بڑا مفتی ہے‘ لیکن یاد رکھیں کہ اس کے لیے حقیقی ایمان شرطِ لازم ہے۔ چنانچہ احادیث کے ذخیرے میں ہمیں ایک بڑی پیاری حدیث ملتی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ((اِسْتَفْتِ نَفْسَكَ ، اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ)) ’’تم اپنے نفس سے پوچھو‘ اپنے دل سے پوچھو!‘‘ اور آخر میں فرمایا: ((وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاسُ وَاَفْتَوْكَ))☆ ’’اگرچہ لوگ اس کے بارے میں تمہیں کچھ بھی فتویٰ دیں‘‘۔ یعنی اگر کوئی مفتی تمہیں فتویٰ دے بھی کہ یہ جائز ہے‘ لیکن تمہارا دل اس پر مطمئن نہ ہو تو تم اسے چھوڑو۔ اس لیے کہ اللہ کا ایک مفتی ہے جو تمہارے جسم میں دل کی صورت میں موجود ہے‘ وہ اس کے خلاف فتویٰ دے رہا ہے۔ البتہ یہ اسی صورت میں ہے جب تمہارے دل میں ایمان موجود ہے‘ اور اگر

(۱) صحيح البخاری‘ كتاب البيوع‘ باب تفسير المشتبهات۔ وسنن الترمذی‘ ابواب صفة القيامة والرقائق والورع‘ باب منه۔

☆ موضوع کی مناسبت سے حدیث کا مکمل متن اور ترجمہ ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے۔ ◀

ایمان نہیں ہے تو پھر اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ یہ تشویش تو اسی کو لاحق ہوگی جس کے دل میں کچھ نہ کچھ ایمان موجود ہے۔ جیسے منافق اور مؤمن کا فرق بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ منافق کو بھی اپنے گناہ یا غلطی کا احساس ہوتا تو ہے' لیکن بس اتنا ہی جتنا کسی کے ناک پر مکھی بیٹھی اور اس نے ذرا ہاتھ ہلا کر اسے ہٹا دیا۔ دوسری طرف مؤمن سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے یا کوئی غلطی ہو جائے تو اس کو ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی پہاڑ تلے آ گیا ہے۔ تو یہ اندرونی احساس کی بات ہے۔ لہٰذا جس کے دل میں تشویش پیدا ہو گئی تو یہ گویا ایمان کی علامت ہے' تو وہ اپنے دل سے فتویٰ لے سکتا ہے۔

نورالدین زنگی کا سبق آموز واقعہ

اس ضمن میں ہماری تاریخ کا ایک بڑا عبرت آمیز اور سبق آموز واقعہ ہے سلطان نورالدین زنگی کا' جس کے بعد جانشین بنے فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبیؒ — عیسائیوں کا یروشلم پر تقریباً ۸۸ برس کا جو قبضہ تھا اسے واگزار کرانے والا مجاہد اعظم صلاح الدین ایوبیؒ نورالدین زنگی کے ساتھیوں اور فوجیوں میں سے تھا — نورالدین زنگی کا بیٹا شدید بیمار ہو گیا۔ ہر طرح کے علاج معالجے آزمائے گئے مگر بے سود۔ آخر اطباء نے کہا کہ اب اس کی جان بچانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ یہ شراب

◀ حضرت وابصہ بن معبد اسدی ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا ((جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ)): ''تم نیکی اور گناہ کے بارے میں دریافت کرنے آئے ہو؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں! پھر آپؐ نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کر کے میرے دل پر مارا اور فرمایا: ((اِسْتَفْتِ نَفْسَكَ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ يَا وَابِصَةُ ثَلَاثًا —— اَلْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَأَنَّ اِلَيْهِ الْقَلْبُ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاسُ وَاَفْتَوْكَ)) (سنن الدارمی' کتاب البیوع' باب دع ما یریبك الی ما لا یریبك)

''اے وابصہ (نیکی اور گناہ کے بارے میں) اپنے آپ سے پوچھو' اپنے دل سے پوچھو — آپ ﷺ نے تین بار فرمایا — نیکی وہ ہے جس سے تمہارا نفس اور دل مطمئن ہو' جبکہ گناہ وہ ہے جو تمہارے جی میں کھٹکے اور تمہارا سینہ اس کے بارے میں متردّد ہو' خواہ لوگ اس کے بارے میں تمہیں کوئی بھی فتویٰ دیں۔''

(اضافہ از مرتب)

پی لے۔ سلطان نے کہا: معاذ اللہ! میں اپنے بیٹے کو حرام چیز استعمال کراؤں! اطباء نے بتایا کہ اس پر علماء کا فتویٰ ہے کہ جان بچانے کے لیے حرام چیز استعمال کی جا سکتی ہے۔ سلطان کو تسلی نہ ہوئی اور اس اللہ کے بندے نے فرداً فرداً چاروں مکاتب فکر کے علماء سے فتویٰ لیا تو سب نے یہی کہا کہ جان بچانے کے لیے جان بچانے کی مقدار تک حرام شے استعمال کر لینا جائز ہے۔ دیکھئے یہ شہزادہ ہے اور بیٹوں کی زندگی سب کو عزیز ہوتی ہے' لیکن نورالدین زنگی کے تقویٰ کا عالَم ملاحظہ ہو کہ فتویٰ آ جانے کے بعد بھی دل کو تسلی نہ ہوئی' دل میں خلش اور کھٹک باقی رہی۔ اُس نے جان بچانے کے لیے شراب کے جواز کا فتویٰ دینے والے مفتیانِ کرام کو اپنے دربار میں بلایا اور کہا: اللہ کی مشیت کے مطابق اگر میرے بیٹے کی موت کا وقت آ ہی گیا ہے تو کیا یہ شراب اسے بچا لے گی؟ انہوں نے کہا: نہیں! اُس نے پوچھا: اگر اللہ اسے صحت دینا چاہے تو کیا وہ شراب کا محتاج ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! اس پر سلطان نے کہا: تو اپنے یہ فتوے اپنے پاس رکھو! چنانچہ اُس اللہ کے بندے نے اپنے بیٹے کی قربانی دے دی' مگر اسے شراب نہیں پلوائی۔ تو تقویٰ کی یہ مثالیں ہمارے مسلم بادشاہوں میں بھی رہی ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ بادشاہ خلفاء راشدین کے پائے کے لوگ تو نہ تھے' لیکن ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا۔ ہمارے بادشاہوں میں ہندوستان میں دو ایسے عظیم بادشاہ گزرے ہیں جنہوں نے خزانے سے ایک پیسہ نہیں کھایا کہ وہ تو ایک امانت ہے۔ شہنشاہ ہند اورنگزیب عالمگیر ٹوپیاں بنا کر بیچ رہا ہے اور قرآن مجید لکھ لکھ کر اُجرت لے رہا ہے۔ اس طرح کی صفات کا حامل مغلوں کے آنے سے پہلے ناصرالدین محمود ہے۔ اسی طرح نورالدین زنگی بھی ایک بہت بڑی مثال ہے۔

تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ جو مشتبہات ہوں' جن کے بارے میں صراحت موجود نہ ہو ان میں ملوث ہونے کے بجائے ان سے بچا جائے۔ البتہ قانون یہ نہیں ہے' قانون یہ ہے کہ جس شے کی حرمت ثابت نہیں ہے وہ حلال ہے۔ اگر بالفرض قانون یہ ہوتا کہ صرف وہ شے حلال ہوگی جس کی حلت ثابت ہو جائے تو اس طرح حلال کا دائرہ بہت محدود ہو جاتا۔ لہٰذا یہ نوٹ کر لیں کہ اس حوالے سے قانون یہ ہے کہ جس شے کی حرمت

کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے وہ حلال اور مباح (permissible) ہے۔ اس اصول کے تحت قانونی سطح پر ہمارے ہاں مباحات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

جدید اسلامی ریاست میں ازسرنو قانون سازی کی ضرورت

اس ضمن میں ایک اہم مسئلہ میں آپ کو بتا رہا ہوں — ویسے تو یہ تقدیر مبرم ہے کہ دنیا میں دوبارہ خلافت کا نظام قائم ہوگا اور وہ عالمی سطح پر ہوگا۔ یہ تو رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی خبریں ہیں جن کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ اس سے پہلے کیا کیا ہونا ہے' ہماری شامت اعمال کس کس شکل میں ہمیں بھگتنی ہے' اللہ کے عذاب کے کوڑے ہم پر کیسے کیسے برسنے ہیں' یہ دوسری بات ہے۔ ہم پاکستانیوں پر ایک کوڑا ۱۹۷۱ء میں برسا تھا جب پاکستان دولخت ہوگیا تھا۔ اب کون سا کوڑا آنے والا ہے' یہ میں نہیں کہہ سکتا' لیکن ہم سزا کے مستحق ضرور ہیں۔ ہم نے اللہ سے بے وفائی کی ہے' وعدہ خلافی کی ہے۔ ہم نے تو دعائیں مانگ مانگ کر اللہ سے یہ ملک لیا تھا۔ ہم نے کہا تھا: اے اللہ! تو ہمیں انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی سے نجات دے دے اور ہمیں ایک آزاد خطۂ ارضی عطا فرما دے تو ہم وہاں پر تیرے دین کا بول بالا کریں گے۔ لیکن نصف صدی گزرنے کے باوجود ہم نے اس وعدے کو پورا نہیں کیا۔ البتہ کروڑوں اربوں کے محلات ہم نے بنا لیے۔ کئی کئی کروڑ کی کوٹھی آپ کو ڈیفنس میں مل جائے گی۔ ڈیفنس کیا اب تو یہاں ماڈل ٹاؤن اور جوہر ٹاؤن کے اندر بھی ایسے ایسے محل نما گھر موجود ہیں جن کو دیکھ کر آپ کو نظر آئے گا کہ پاکستان تو جنت ہی جنت ہے' یہاں پر تو شاید غربت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سب تو ہم نے کیا' لیکن وہ اسلام کہاں ہے جس کا ہم نے اپنے رب سے وعدہ کیا تھا؟ یہ یاد رکھیں کہ اس وعدہ خلافی کی سزائیں تو ہمیں ملنی ہیں۔ اس موضوع پر میری ایک کتاب ''سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی' حال اور مستقبل'' کا ضرور مطالعہ کیجیے جس میں میں نے اُمّتِ مُسلمہ کے ماضی اور حال پر بھی روشنی ڈالی ہے اور مستقبل کی جھلک بھی پیش کی ہے۔ بدقسمتی سے آج کا انسان بس حال میں پھنسا ہوا ہے اور اُسے بس اسی کی فکر ہے کہ میرا آج کا مسئلہ کیا ہے' میرے اِس وقت

کے مسائل اور معاملات کیا ہیں اور میں کس طرح انہیں حل کر سکتا ہوں۔ نہ اسے ماضی سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ مستقبل کی فکر۔ میرا ایک مشغلہ (hobby) سا ہے کہ کوئی نیا ملاقاتی آتا ہے تو میں اس کا پس منظر جاننے کی کوشش کرتا ہوں۔ مجھے سمجھ میں آ جاتا ہے کہ یہ شخص مہاجر ہے اور جمنا پار کا ہے۔ پوچھنے پر وہ بتاتا ہے کہ ہم یوپی سے ہیں۔ بھئی کس جگہ سے ہیں؟ یہ اُسے نہیں پتا ہوتا۔ اس کو اتنی دلچسپی نہیں ہے کہ میرے باپ دادا کہاں سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ماضی قریب سے اتنی عدم دلچسپی ہو چکی ہے تو اس سے آگے کی تاریخ آپ کہاں پڑھیں گے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ ہے' اس میں کیا کیا نشیب وفراز آئے ہیں' ان میں کیا کیا خیر کے پہلو تھے اور کیا کیا شر کے' یہ جاننے کی کیونکر فکر ہوگی؟ اسی طرح مستقبل کی بھی کوئی فکر نہیں ہے۔ بس کل کی روٹی' اپنے کاروبار' پروفیشن اور ملازمت وغیرہ کی فکر ہے۔ اللہ اللہ خیر سلاّ۔

بہرحال میں کہہ رہا تھا کہ یہ تو یقینی بات ہے کہ قیامت سے قبل پوری دنیا میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی' لیکن اس حوالے سے عام طور پر خیال یہ ہے کہ جیسے ہی اسلامی ریاست قائم ہوگی تو فقہ جو مرتب شدہ ہے' بس وہ نافذ کر دی جائے گی۔ یہ بڑی ہی ناسمجھی کی بات ہے۔ اول تو سوال پیدا ہوگا کہ کون سی فقہ نافذ کی جائے — حنفی' شافعی' مالکی' یا حنبلی؟ اہلِ تشیّع نے ایران میں خون بہا کر' جانیں دے کر انقلاب برپا کیا' بادشاہ کو بھگایا اور پھر وہاں جعفری فقہ نافذ کی — لیکن ایران کا معاملہ بالکل الگ ہے' اس لیے کہ وہاں اہلِ سنت بہت معمولی سی اقلیت ہیں اور ''مین لین'' یعنی ایران کے درمیان کے دائرہ میں اہلِ سنت موجود ہی نہیں۔ البتہ جنوب مشرق میں کچھ بلوچ' جنوب مغرب (صوبہ اہواز) میں کچھ عرب' شمال مغرب میں کچھ کُرد اور شمال مشرق میں کچھ افغان یا ترک سنی ہیں' جبکہ باقی سارے ایران میں شیعہ ہیں۔ انہوں نے تو وہاں جعفری فقہ نافذ کی ہے' مگر آپ یہاں کون سی فقہ نافذ کریں گے' یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ آپ کے ہاں تو شیعہ سُنّی یوں رہتے ہیں کہ اوپر کے فلیٹ میں سُنّی ہے تو نیچے شیعہ' یا نیچے سُنّی ہے تو اوپر شیعہ۔

اس حوالے سے دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ یہ فقہیں آج سے تقریباً ایک ہزار سال

پہلے مرتب ہوئی تھیں۔ وقت کے دریا میں بہت سا پانی بہہ چکا ہے‘ بہت سے نئے مسائل پیدا ہو چکے ہیں جو ان فقہوں میں نہیں ہیں۔ پھر بدقسمتی سے ہمارے علماء نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا ہے‘ جبکہ اہلِ تشیّع نے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور ان کے ہاں بڑے علماء مجتہد کہلاتے ہیں۔ سب سے اوپر مراجع ہیں جو آخری اتھارٹی سمجھے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آیت اللہ خمینی نے ’’ولایت الفقیہہ‘‘ کی بنیاد ڈالی جو آج بھی ایران میں رائج ہے۔ اس کے مطابق اصل حکمرانی فقہاء و علماء کی ہے۔ اگرچہ انتخابات ہوتے ہیں‘ لیکن انتخابات میں کون حصہ لے سکتا ہے اور کون نہیں‘ اس کا فیصلہ علماء کی شوریٰ کرتی ہے اور جس کو وہ مسترد کر دیں تو پھر وہ انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ انقلابِ ایران کے بعد بنی صدر ایران کے پہلے صدر بنے تھے اور انہوں نے غالباً ۹۹ فیصد ووٹ حاصل کیے تھے‘ لیکن آیت اللہ خمینی نے کان سے پکڑ کر انہیں نکال دیا۔ تو وہاں اصل حکومت علماء کی ہے اور یہ اس دور کے اندر تھیوکریسی کی بڑی نمایاں مثال ہے۔

بہرحال اللہ ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمادے اور پاکستان حقیقی معنوں میں ایک اسلامی ملک بن جائے —— اگرچہ اس کے آثار کوئی نہیں ہیں —— تو یہاں قانون سازی (legislation) از سرنو ہو گی۔ مباحات کے دائرے میں آپ نئے نئے قوانین بنائیں گے۔ جو چیز کتاب و سنت سے ثابت ہو گئی وہ تو بعینہٖ اسی طرح نافذ ہو جائے گی۔ پھر پرسنل لاء میں تمام فقہوں کو acknowledge کیا جائے گا‘ یعنی ذاتی معاملات مثلاً شادی بیاہ‘ وراثت اور عبادات وغیرہ خواہ آپ فقہ حنفی کے تحت کرنا چاہتے ہیں یا فقہ شافعی کے تحت یا فقہ جعفری کے تحت‘ آپ کو آزادی ہو گی —— یہ عبادات‘ عائلی قوانین اور وراثت وغیرہ کے معاملات پرسنل لاء کے دائرے میں آتے ہیں —— لیکن قانونِ ملکی (Law of the land) میں کوئی فقہ تشکیل نہیں دی جائے گی‘ اس لیے کہ ساری فقہیں ہماری مشترکہ وراثت علمی (common heritage) ہیں کہ کسی ایک معاملے میں امام ابوحنیفہ‘ امام مالک‘ امام شافعی‘ امام احمد بن حنبل‘ امام ابن تیمیہ اور امام جعفر صادق کی آراء کیا ہیں۔ اس طرح تو ہمارے پاس علم کا خزانہ آ گیا —— جیسا کہ آپ کو معلوم ہے

عدالتوں کے اندر نظائر (precedents) پیش کیے جاتے ہیں۔ آپ کے ہاں سپریم کورٹ میں کوئی مقدمہ زیر سماعت ہے تو اس کے لیے کہاں کہاں سے نظیر ڈھونڈ کر لانی پڑتی ہے کہ پریوی کونسل برطانیہ نے فلاں سن میں فلاں مقدمہ میں یہ فیصلہ دیا تھا۔ تو ان precedents کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہوتی ہے —— خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کے بعد فقہاء کی آراء کی حیثیت بھی ہمارے لیے نظائر کی ہو جائے گی اور انہیں از سرنو قانون سازی میں بہت اہمیت حاصل ہو گی۔

مشتبہات سے بچنے کا قانونی پہلو

اربعین نووی کی زیر مطالعہ حدیث کے حوالے سے میں نے بتایا تھا کہ اس کے دو پہلو ہیں۔ تقویٰ کا تقاضا تو یہ ہے کہ شبہات سے ہر صورت بچا جائے‘ لیکن اس کا قانونی پہلو اس کے بالکل برعکس ہے کہ جو شے کتاب و سنت کے دلائل اور نصوص سے حرام ثابت نہ کی جا سکے تو وہ جائز ہے۔ اس میں آپ pick and choose کر سکتے ہیں‘ اکثریت (majority) سے بھی قانون بنا سکتے ہیں‘ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ نے دو جائز و حلال چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنا ہے تو آپ ریفرنڈم کرا لیں‘ ووٹنگ کرا لیں یا کوئی اور طریقہ اختیار کر لیں‘ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے لیے میں سادہ سی مثال دیا کرتا ہوں کہ فرض کیجیے آپ کو اپنے گھر میں دعوتِ افطار کا اہتمام کرنا ہے‘ اب اس میں مشروب کون سا پیش کیا جائے اس کے بارے میں مختلف آراء سامنے آ سکتی ہیں —— شراب تو سرے سے زیر بحث نہیں آ سکتی‘ اس لیے کہ وہ تو کتاب و سنت کی رو سے حرام ہے —— باقی سیون اپ‘ روح افزا یا کوئی اور شربت ووٹنگ کے ذریعے منتخب ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں‘ اس لیے کہ یہ تمام حلال مشروبات ہیں۔ لہٰذا مشتبہات کے حوالے سے دونوں پہلو سامنے رکھیے۔ زیر مطالعہ حدیث میں اس حوالے سے تقویٰ کا پہلو بیان ہوا کہ جو مشتبہات ہیں‘ جن کے بارے میں تیقّن کے ساتھ کہنا مشکل ہے کہ حلال ہے یا حرام ہے تو اس سے بچو!

آگے آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ))

''پس جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا''۔ یہ انفرادی سطح پر تقویٰ کا طرزِ عمل ہوگا کہ جو چیز بھی مشتبہ ہے اس کو آپ ترک کر دیں اور اس کو اختیار نہ کریں۔ ((وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ)) ''اور جو ان مشتبہ چیزوں کے اندر پڑ گیا' وہ حرام میں بھی پڑ جائے گا''۔ یعنی ابھی تو ایک مشتبہ چیز کا مسئلہ تھا' لیکن آگے انسان کے اندر اُس کی نفسانیت' حیوانیت' بہیمیت اور اس کے نفسانی تقاضے جب بڑھیں گے تو پھر وہ حرام تک پہنچ جائے گا۔ جیسے آپ پنجابی میں کہتے ہیں ''جھا کا کھل گیا''' یعنی جھجک اگر ختم ہوگئی تو گویا اس کا بھی اندیشہ ہے کہ مشتبہ امور کو استعمال کرتے کرتے آپ حرام کے اندر بھی منہ مارنے لگیں۔

حرام کے قریب جانے کی بھی ممانعت

آگے آپ ﷺ نے اس بات کو ایک مثال سے سمجھایا: ((كَالرَّاعِي يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ)) ''جیسا کہ کوئی چرواہا (کسی ممنوعہ) چراگاہ کے آس پاس جانوروں کو چرائے تو ہوسکتا ہے کہ جانور چراگاہ میں جا پہنچیں''۔ حِمٰی کہتے ہیں محفوظ چراگاہ کو۔ یعنی کسی بادشاہ' جاگیردار یا وڈیرے نے اپنے چوپاؤں' مثلاً گائیں بھینسوں' بھیڑ بکریوں' اونٹ اور گھوڑوں وغیرہ کے لیے ایک خاص علاقے کو محفوظ کر لیا ہو کہ یہاں صرف ان کے جانور چریں گے اور اس میں عوام کا کوئی جانور داخل نہیں ہوگا' تو وہ اس کی حِمٰی ہے۔ اب اگر کوئی چرواہا اس طرح کی کسی محفوظ اور مخصوص چراگاہ کے قریب اپنا ریوڑ چرا رہا ہوگا تو اس کا اندیشہ ہے کہ اس ریوڑ کے چند جانور اس چراگاہ میں گھس جائیں اور وہاں چرنے لگیں۔ اس طرح یہ چرواہا شاہی مجرم قرار پائے گا اور اس پر اسے سزا بھی ہوسکتی ہے' لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس سے دُور دُور رہو' Keep at a safe distance۔ بالکل یہی معاملہ مشتبہات کے بارے میں ہے کہ ان سے دُور رہا جائے' کہیں یہ نہ ہو کہ آپ بالکل حرام کی سرحد پر پہنچ جائیں۔ اور اگر آپ سرحد پر پہنچ گئے تو ہوسکتا ہے کسی وقت آپ جذبات کی رو میں بہہ کر اس سرحد کو عبور کر کے حرام میں پہنچ جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ حرام کے قریب جانے سے بھی

روکتا ہے چہ جائیکہ حرام کا ارتکاب کیا جائے۔ آپ دیکھئے کہ قرآن مجید میں نہ تو زنا کے بارے میں کہیں آیا ہے: لَا تَزْنُوْا یعنی ''زنا نہ کرو'' اور نہ ہی کہیں شراب کے بارے میں حرام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی کو بنیاد بنا کر ہمارے ملک کے ایک دانشور کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں شراب کے لیے حرام کا لفظ کہیں نہیں آیا' اس لیے یہ حرام نہیں ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ اللہ کے بندے! عقل کے ناخن لو۔ جب شراب اور جوئے کے لیے ایسے ایسے سخت الفاظ آئے ہیں: ﴿رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ ''یہ شیطانی عمل میں سے گندے ترین اعمال ہیں' پس ان سے دور رہو''۔ تو حرام کا لفظ ان سے زیادہ سخت تو نہیں ہے۔ آگے فرمایا: ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝﴾ ''پھر تم باز آتے ہو کہ نہیں؟'' یہ غصے کا انداز کیوں اختیار کیا گیا؟ اس لیے کہ اس سے پہلے مرحلہ وار احکام دیے جا چکے تھے۔ بہت پہلے تم سے کہہ دیا گیا تھا: ﴿فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (البقرۃ:۲۱۹) کہ شراب اور جوئے میں اگرچہ کچھ منفعت کے پہلو بھی ہیں' لیکن ان میں گناہ کا پہلو نفع کے پہلو سے زیادہ ہے۔ جب یہ پہلا حکم آیا تھا تو تمہیں اُسی وقت ان دونوں کو چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ تقویٰ کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اسی وقت چھوڑ دیتے — بہت سے صحابہ کرامؓ نے اسی وقت شراب چھوڑ دی تھی — پھر ہم نے تمہیں ایک اور وارننگ دی تھی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ (النساء:۴۳) ''اے ایمان والو! جب شراب کے نشے میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ''۔ تو اس سے بھی تمہیں معلوم ہو جانا چاہیے تھا کہ ان احکام میں شراب اور جوئے کی حرمت کی طرف اشارہ ہے' لیکن اس کے باوجود چند لوگ پھر بھی باز نہ آئے تو پھر سورۃ المائدۃ میں تیسرا اور آخری حکم آیا جس میں بہت سخت الفاظ وارد ہوئے: ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝۹۱﴾ ''اب بھی باز آتے ہو کہ نہیں؟'' — اب ان سارے سخت ترین الفاظ کو پس پشت ڈال کر ایک دانشور کہہ رہے ہیں کہ قرآن میں شراب کے لیے کہیں حرام کا لفظ نہیں آیا اس لیے شراب حرام نہیں ہے۔ ایک ملاقات میں' میں نے ان سے کہا تھا کہ حرام کا لفظ تو زنا کے لیے بھی نہیں آیا تو اس کے جواز کا بھی فتویٰ دے دیجیے!

دراصل قرآن حکیم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ حرام کے قریب جانے سے بھی روکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زنا کے حوالے سے قرآن نے فرمایا: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ (بنی اسرائیل:۳۲) ''اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو''۔ یعنی زنا تک جانا تو بہت دور کی بات ہے ایسے اعمال تک بھی نہ جاؤ جو زنا تک لے جانے کا باعث بنتے ہیں۔ چنانچہ اسی مقصد کے لیے ہمارا سارا عائلی نظام ہے' پردہ ہے' مخالف جنسوں میں تفریق (seggregation of sexes) ہے کہ مخلوط معاشرہ نہ ہو' لڑکوں کے تعلیمی ادارے علیحدہ ہوں اور لڑکیوں کے علیحدہ۔ عورتوں کے ہسپتال علیحدہ ہوں جہاں عورتیں مریض' عورتیں ڈاکٹر اور عورتیں ہی نرس ہوں' جبکہ مردوں کے ہسپتالوں میں مرد مریض' مرد ڈاکٹر اور مرد ہی نرس ہونے چاہئیں۔ مردوں کے ہسپتالوں میں کوئی عورت نہ تو ڈاکٹر ہو اور نہ ہی نرس۔ یہ سراسر شریعت کے خلاف ہے' اور پھر جو کچھ وہاں ہوتا ہے وہ آپ سب کو معلوم ہے' کون نہیں جانتا۔ یہ سب وہ اعمال ہیں جو زنا تک لے جانے کا باعث بن سکتے ہیں' اس لیے ان سب سے منع کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں جابجا فرمایا گیا: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾ ''یہ اللہ کی حدود ہیں' ان سے تجاوز مت کرو''۔ ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ ''یہ اللہ کی حدود ہیں' ان کے قریب بھی مت جانا''۔ تو زیر مطالعہ حدیث میں بھی فرمایا کہ ان مشتبہات کے قریب بھی نہ جاؤ' ہوسکتا ہے تم حرام میں پڑ جاؤ۔

اللہ کی مخصوص و محفوظ چراگاہ ''محرّمات'' ہیں!

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى' اَلَا وَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ)) ''آگاہ ہو جاؤ کہ ہر بادشاہ کی ایک محفوظ اور مخصوص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی مخصوص چراگاہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء ہیں''۔ تو جیسے کسی محفوظ چراگاہ کے قریب اپنے ریوڑ کو لے جانے والا ہمیشہ اس خطرے میں رہے گا کہ اس کی بھیڑ بکریاں چھلانگ لگائیں اور اس محفوظ چراگاہ میں چلی جائیں اور اس طرح یہ سزا کا مستحق ٹھہرے گا' ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی محرمات ہیں' لہٰذا ان کے قریب بھی مت جاؤ' مبادا کہ تم ان میں مشغول ہو جاؤ!

نبی مکرم ﷺ کے یہ الفاظ جوامع الکلم میں سے ہیں۔ حضور ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: ((اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ)) ''میں عرب کا فصیح ترین انسان ہوں''۔ یہ بالکل صحیح ہے' اس لیے کہ فصیح ترین عربی قرآن کی ہے اور اس کے بعد حضور ﷺ کی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ((بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ)) (متفق علیہ) ''مجھے جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے''۔ جوامع الکلم کہتے ہیں بڑی جامع باتیں' یعنی چھوٹے چھوٹے جملے مگر مفہوم کے حوالے سے وسیع تر۔ مثلاً روزہ کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ)) (متفق علیہ) ''روزہ ڈھال ہے''۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جیسے ڈھال کے ذریعے اپنے آپ کو تلوار سے بچاتے ہو اسی طرح نفس کے حملوں سے بچانے کے لیے روزہ بھی ایک ڈھال ہے۔ تمہارا جو نفس امارہ ہے' تمہارا جو id اور libido ہے' تمہارے جو جوانی کے تقاضے اور حیوانی جبلتیں ہیں' ان سب کے خلاف تم اپنے آپ کو روزے کے ذریعے بچا سکتے ہو۔ اپنی انا کو' اپنی خودی کو اور اپنی روح کو نفس کی ظلمانیت سے بچانا ''اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ'' کے مفہوم میں شامل ہے — زیر مطالعہ حدیث کے اگلے کلمات بھی جوامع الکلم میں سے ہیں' ان میں وسیع مفہوم پوشیدہ ہے۔

قلب اور اصلاحِ قلب کی اہمیت

آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ((اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ)) ''آگاہ ہو جاؤ کہ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے' جب وہ درست ہوتا ہے تو پورے کا پورا جسم درست ہوتا ہے'' ((وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ)) ''اور جب اس میں کوئی خرابی (یا برائی) ہو تو پورا جسم برا ہو جاتا ہے''۔ ((اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ)) آگاہ ہو جاؤ کہ وہ دل ہے!'' یہ ہے وہ بات جو قرآن کے حکمت اور فلسفے کی ہے۔ یہ تین levels ہیں: نفس امارہ' قلب اور روح۔ انہی کی نشاندہی فرائیڈ نے کی ہے اور اس حوالے سے میں اس کے مشاہدے کے ادراک (acquaintance of vision) کا قائل ہوں' مگر اس کی تاویل اس نے غلط کی ہے۔ جہاں تک id' libido اور پھر ego کی بات ہے تو وہ صحیح ہے' لیکن super ego کو وہ بالکل سمجھ نہیں سکا۔ اس نے

دیکھ لیا کہ خودی (ego) سے اوپر بھی انسان میں کوئی اور شے ہے‘ لیکن وہ پہچان نہیں پایا کہ وہ کیا ہے؟ تو وہ روح ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ یا تو انسان کے قلب کا رخ روح کی طرف ہوتا ہے‘ اس اعتبار سے قلب ایک آئینہ کی مانند ہوتا ہے‘ بایں معنی کہ روح کی ساری تجلیات اور انوارات اس میں منعکس ہو جائیں گے اور پورا وجود منوّر ہو جائے گا۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ قلب کا رخ نفس امارہ کی طرف ہو جائے گا تو نفس امارہ کی ساری ظلمات‘ تاریکیاں اس میں منعکس ہو جائیں گی اور سارا جسم خراب ہو جائے گا۔

اب خاص طور پر دلچسپی کی بات یہ ہے کہ قلب کا مادہ ق ل ب ہے جس کے معنی بدلنے کے ہیں۔ چنانچہ قلب کو قلب اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ ہر وقت حرکت میں رہتا ہے۔ لفظ انقلاب بھی اسی سے بنا ہے بمعنی بدل جانا۔ قرآن حکیم میں الفاظ آئے ہیں: ﴿وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ﴾ (التوبۃ:۴۸) یعنی اے نبی ﷺ! یہ منافق آپ کے معاملات کو تلپٹ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں —— حضور ﷺ کی اپنی ایک پلاننگ ہوتی تھی‘ لیکن منافق بیچ میں کوئی ایسا رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتے تھے کہ وہ پلاننگ خراب ہو جائے۔ تو قلب کے معنی ہی یہی ہیں کہ اسے سکون نہیں ہے‘ وہ ہر وقت حرکت میں ہے۔ آپ کے پورے جسم میں ہر عضو کے لیے آرام کا وقت ہوتا ہے۔ آپ کے دماغ کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔ آپ سوتے ہیں تو دماغ آرام کرتا ہے —— یہ اور بات ہے کہ دماغ کو آرام کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی جتنا ہم سوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سو رہے ہوتے ہیں لیکن دماغ جاگ کر اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور پھر خواب بھی اسی کیفیت میں آتے ہیں۔ دوسری طرف قلب یعنی دل ہمارے جسم کا ایسا عضو ہے جس کے لیے نہ کوئی آرام ہے اور نہ کوئی چین‘ اور نہ ہی یہ ایک حالت میں رہتا ہے‘ کبھی پھیل رہا ہے کبھی سکڑ رہا ہے۔ اب اگر یہ دل یکسو ہو کر مستقل طور پر روح کی طرف رخ کر لے تو روح کی تجلیات —— روح کا تعلق چونکہ امر ربی سے ہے اس لیے وہ ربانی تجلیات —— پورے وجود میں سرایت کر جائیں گی۔ اس کیفیت کا نام ہے ’’نفسِ مطمئنہ‘‘۔ جس کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝۲۷ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ

رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝۲۸ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝۲۹ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝۳۰﴾ ’’اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل‘ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا‘‘۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ نفس مطمئنہ عطا کرے‘ آمین!)۔ لیکن اگر خدانخواستہ قلب کا مستقل رخ نفس امارہ کی طرف ہو جائے تو یہ وہ کیفیت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ﴾ (یوسف:۵۳) ’’بے شک نفس انسان کو برائی پر ہی اکساتا رہتا ہے‘‘۔ اس کے علاوہ کچھ لوگوں کا قلب ڈانواں ڈول رہتا ہے‘ اس کو ’’نفسِ لوّامہ‘‘ کہتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی اچھا کام کیا تو اندر سے شاباش ملتی ہے کہ تم نے ٹھیک کیا ہے اور اگر کوئی برا کام کیا تو روح ملامت کرتی ہے۔ اس کیفیت کو سورۃ التوبہ میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے: ﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا﴾ (آیت ۱۰۲) ’’(کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں) جو خلط ملط کر لیتے ہیں اچھے کاموں کے ساتھ دوسرے برے کام بھی۔‘‘

مشتبہات اور سود کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

اسی حدیث کے حوالے سے میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ دیکھئے بعض معاملات ایسے تھے جن کا حکم حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دنوں میں آیا ہے۔ اس زمانے میں آپ کو معلوم ہے کہ بات کو آگے تک پہنچانے کے ذرائع محدود تھے۔ اُس وقت نشریاتی چینلز تو تھے نہیں کہ اعلان ہو جاتا کہ آج سے یہ حکم نافذ العمل ہو گا اور اس طرح پورے ملک میں وہ حکم نامہ پہنچ جاتا۔ اس تناظر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اِنَّ آخِرَ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ آيَةُ الرِّبَا وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا‘ فَدَعُوا الرِّبَا وَالرِّيْبَةَ (۱)

’’قرآن کریم میں سب سے آخری آیت سود سے متعلق نازل ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ کو اپنے انتقال سے قبل اس کی مکمل وضاحت کا موقع نہیں مل سکا۔ اس

(۱) مسند احمد‘ کتاب مسند العشرة المبشرين بالجنة‘ باب اول مسند عمر بن الخطابؓ۔

لیے سود کو بھی چھوڑ دو اور جس چیز میں ذرا بھی شک ہو اسے بھی چھوڑ دو۔''☆

سود کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل ہمارے سامنے ہے' مگر مجھے بڑے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے ہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہمارا تو سارا معاشی نظام ہی سودی بینکاری کے گرد گھومتا ہے' جبکہ سودی بینکاری کا یہ نظام یہودیوں کے بدمعاش ترین ذہن کی پیداوار ہے۔ اقبال نے کہا تھا ؎

ایں بنوک ایں فکر چالاکِ یہود　　نورِ حق از سینۂ آدم ربود

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام　　دانش و تہذیب و دیں سودائے خام!

یعنی یہ بینک تو یہودیوں کی عیارانہ فکر کی پیداوار ہے جس نے سینۂ آدم کے اندر جو روحانیت کا نور تھا اس کو نکال کر دور پھینک دیا اور انسان کو درندہ اور حیوان بنا دیا ہے۔ اب اس نظام کی اصلاح اُس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ سارا نظام تہ و بالا نہیں ہوگا' تلپٹ نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اس نظام کے اندر رہتے ہوئے کہاں کی دانش' کہاں کی تہذیب' کہاں کا دین! یعنی کسی بھی چیز کا کوئی امکان نہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو پہچاننے اور اپنی انفرادی زندگیوں میں ہر طرح سے مشتبہات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین یاربّ العالمین!

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

(مرتب: حافظ محمد زاہد' ادارتی معاون)

☆سنن دارمی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ فرمان یوں بیان ہوا ہے (اضافہ از مرتب):

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا لَا نَدْرِیْ لَعَلَّنَا نَأْمُرُكُمْ بِاَشْيَاءَ لَا تَحِلُّ لَكُمْ وَ لَعَلَّنَا نُحَرِّمُ عَلَيْكُمْ اَشْيَاءَ هِیَ لَكُمْ حَلَالٌ—— اِنَّ آخِرَ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ آيَةُ الرِّبَا وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يُبَيِّنْهَا لَنَا حَتّٰى مَاتَ فَدَعُوا مَا يَرِيْبُكُمْ اِلٰى مَا لَا يَرِيْبُكُمْ (سنن الدارمی)

''اے لوگو! بے شک ہم نہیں جانتے' ہوسکتا ہے ہم تمہیں ایسی شے کا حکم دیں جو تمہارے لیے حلال نہ ہو اور شاید ہم تم پر ایسی اشیاء کو حرام قرار دے دیں جو درحقیقت تمہارے لیے حلال ہوں—— قرآن میں سب سے آخر میں سود سے متعلق آیت نازل ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے ابھی ہمارے سامنے اس کی وضاحت نہیں کی تھی کہ آپؐ کا وصال ہوگیا۔ اس لیے جو چیز تمہیں شک میں مبتلا کرے اسے چھوڑ کر اسے اختیار کرو جو تمہیں شک میں مبتلا نہ کرے۔''

شرعی احکام اور اس کی انواع واقسام

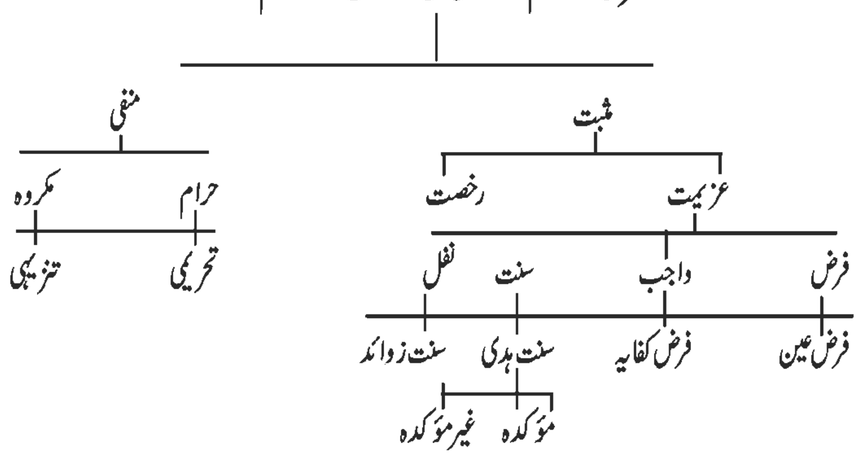

☆مثبت: اوامر

☆ عزیمت: جو اصلاً مطلوب ہو اور عوارضات سے متعلق نہ ہو۔

☆ رخصت: بوجہ عذر مکلف دشواری ختم کرنے اور سہولت حاصل ہونے کے لئے کسی امر میں تبدیلی کرنا رخصت ہے۔

☆ فرض: ایسی دلیل قطعی سے ثابت جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو' جیسے قرآن پاک اور حدیث متواتر۔

☆ واجب: جس کی دلیل میں شبہ ہو قطعیت نہ ہو' جیسے نماز وتر' صدقہ فطر وغیرہ کہ ان کا ثبوت خبر واحد سے ہے۔ واجب من حیث العمل فرض ہوتا ہے یعنی فرض کی طرح اس پر بھی عمل کرنا لازم ہے اور من حیث الاعتقاد نفل ہوتا ہے۔ پس اس کا منکر کافر نہ ہوگا۔

☆ سنت: وہ کام جس کو نبی ﷺ نے بطریق مداومت کیا ہو اور اس کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے پر ملامت ہو۔

☆ سنت ہدیٰ: اس کا تعلق عبادات سے ہے۔

☆ سنت زائدہ: اس کا تعلق عادات سے ہے۔

☆ سنت مؤکدہ: جس پر حضور اکرم ﷺ نے واجب کیے بغیر عمل کیا ہو۔ اگر آپ ﷺ کا یہ عمل بطریق ہمیشگی ہو تو یہ سنت مؤکدہ ہے۔

☆ سنت غیر مؤکدہ: کبھی کبھی ترک کے ساتھ کیا ہوا عمل غیر مؤکدہ ہے اور اس کو مستحب اور مندوب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

☆ نفل: اس کے لغوی معنی زیادتی کے ہیں۔ اصطلاحاً وہ عمل جو فرائض اور واجبات پر زائد ہو۔

☆ منفی: منہیات و ممنوعات

☆ حرام: جو بدلیل قطعی ممنوع ہو' جیسے شراب' خمر وغیرہ۔

☆ مکروہ تحریمی: جو بدلیل ظنی ممنوع ہو' جیسے سوسمار (گوہ) کا کھانا اور شطرنج کھیلنا وغیرہ۔ امام محمد مکروہ تحریمی کو حرام ہی کی ایک قسم مانتے ہیں لیکن حرام قطعی بھی نہیں کہتے۔

☆ مکروہ تنزیہی: جس کا ترک عمل کرنے سے اولیٰ ہو۔

قرآن سے استفادہ کے لیے ہدایات

قرآن حکیم کی روشنی میں

انجینئر نوید احمد

رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے دو عبادات عطا کی ہیں' دن کا روزہ اور رات میں نمازِ تراویح کے دوران قرآنِ حکیم کی سماعت۔ روزہ کی عبادت کے حوالے سے تو ہمارے ہاں پھر بھی کچھ اہتمام نظر آتا ہے لیکن نمازِ تراویح میں قرآنِ حکیم کی سماعت کے حوالے سے اہتمام کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پورا قرآنِ حکیم نمازِ تراویح میں سننے کے باوجود ہماری اکثریت قرآنِ حکیم کے فہم اور اُس کی تعلیمات پر عمل سے محروم نظر آتی ہے۔ اِس تحریر میں اُن امور کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی گئی ہے جن پر سماعتِ قرآن کے حوالے سے قرآنِ حکیم میں خصوصی زور دیا گیا ہے۔

(۱) قرآنِ مجید کی عظمت و اہمیت کا احساس

کسی بھی شے کی عظمت اگر دل میں ہو تو پھر اُس سے استفادہ کے لیے خاص ذوق وشوق پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قرآنِ حکیم سے استفادہ اور فیض حاصل کرنے کے لیے اوّلین اور اہم ترین معاملہ یہ ہے کہ اِس کتاب کی عظمت سے ہمارے دل لبریز و سرشار ہوں۔ ہمیں یقین کامل ہو کہ قرآنِ حکیم واقعی اللہ کا کلام ہے اور اِس میں شامل تمام مضامین ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر اور سراپا حق ہیں۔ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر عظیم ترین نعمت جو ہمارے پاس ہے وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہی کلام ''قرآنِ مجید'' ہے۔ یہ نہ صرف بذاتِ خود عظیم ہے بلکہ ہمارے لیے اللہ کی رحمت کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے۔ سورۂ یونس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝﴾

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مؤمنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔ کہہ دیجیے کہ (یہ کتاب) اللہ کے فضل اور اُس کی مہربانی سے (نازل ہوئی) ہے' تو چاہیے کہ لوگ اِس پر خوشیاں منائیں۔ یہ اُس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

(۲) نیت کی پاکیزگی

قرآنِ مجید سے استفادہ کے لیے دوسری بنیادی اہمیت کی بات نیت کی پاکیزگی ہے۔ قرآنِ مجید سنتے ہوئے مقصد صرف یہ ہو کہ میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی کتاب اُس کی رضا کے حصول کے لیے پڑھ رہا ہوں۔ خود کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر رہا ہوں' جو ہدایت اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا اُسی کو اپنا عقیدہ اور تصور بناؤں گا۔ پہلے سے ذہن میں موجود تصورات کی تائید کے لیے قرآنِ حکیم کی دلیل وحمایت تلاش کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (المائدۃ)

''ہدایت عطا فرماتا ہے اللہ اس (قرآن) کے ذریعے اُسے جو پیروی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کی' اُن راستوں کی جو سلامتی والے ہیں' اور نکالتا ہے اُنہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف اپنے حکم سے اور ہدایت دیتا ہے اُنہیں سیدھے راستے کی۔''

(۳) قرآنِ مجید توجہ سے سننا

دل میں قرآنِ مجید کے لیے احساسِ عظمت کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جب قرآنِ مجید کی تلاوت ہو تو اِس دوران نہایت احترام کے ساتھ مکمل خاموشی اختیار کی جائے اور پوری توجہ سے قرآنِ حکیم کو سنا جائے۔ سورۃ الاعراف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝﴾

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

قرآن مجید سے یاددہانی اور ہدایت اُسی کو حاصل ہوتی ہے جس کا دل واقعی قلبِ سلیم یعنی دلِ زندہ ہو اور یا پھر وہ شعوری طور پر متوجہ ہو کر قرآنِ مجید سنے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں سورۂ قٓ میں آگاہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝﴾

''بے شک اِس قرآن میں نصیحت ہے اُس کے لیے جس کے پاس دل ہو یا وہ کان لگا کر سنے توجہ کے ساتھ اور وہ پوری طرح سے حاضر بھی ہو۔''

(۴) قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرنا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیس سے زائد مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہدایت ہے۔ اگر قرآنِ مجید کو بغیر سمجھے پڑھا یا سنا جائے تو اِس سے ثواب اور برکت تو حاصل ہو جائے گی لیکن قرآن کی اصل نعمت یعنی ہدایت حاصل نہ ہوگی۔ رمضان المبارک کے دوران نزولِ قرآن کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم کی ایک ہی شان کو خوب نمایاں کیا ہے اور وہ شان ہے اِس کتاب کا واضح ہدایت ہونا۔

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ﴾ (البقرۃ: ۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا' یہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل میں فرق کرنے کے کھلے کھلے دلائل ہیں۔''

ہدایت کے لیے قرآنِ مجید کے واضح اور آسان ہونے کو سورۃ القمر میں چار بار بیان کیا گیا:

﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۝﴾ (القمر: ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰)

''اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے' تو کوئی ہے کہ جو سوچے سمجھے؟''

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو بابرکت کتاب قرار دے کر نصیحت فرمائی کہ اِس کے مضامین پر غور و فکر کرو اور اِس سے نصیحت بھی حاصل کرو۔ ایسا کرنے والے اللہ کے نزدیک اصحابِ دانش اور عقل مند ہیں۔ سورۂ صٓ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝۲۹﴾

''(یہ) کتاب جو ہم نے آپ ﷺ پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اِس کی آیات میں غور کریں اور تاکہ اہلِ عقل اِس سے نصیحت حاصل کریں۔''

ترغیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جھنجھوڑنے کے انداز میں بھی قرآن مجید پر غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا۝۸۲﴾ (النساء)

''تو کیا یہ قرآن پر غور و فکر نہیں کرتے؟ اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے

ہوتا تو وہ اِس میں بڑی کثرت سے اختلافات پاتے۔''

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝۲۴﴾ (محمد)

''تو کیا وہ قرآن پر تدبر نہیں کرتے' یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟''

(۵) رِقّتِ قلبی کا طاری ہونا

اگر مذکورہ بالا آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآنِ مجید کی سماعت کی جائے تو انسان کے دل پر اِس کتابِ عظیم کے رقت آمیز اثرات مرتب ہوں گے۔ اِس حقیقت کو قرآن مجید نے بار بار بیان فرمایا ہے:

﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ۝۸۳﴾ (المائدۃ)

''اور جب وہ اس (کلام) کو سنتے ہیں جو رسول (محمد ﷺ) پر نازل کیا گیا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں' اِس لیے کہ اُنہوں نے حق بات پہچان لی۔ اور وہ (اللہ کی جناب میں) عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے' پس تو ہمیں ماننے والوں میں لکھ لے۔''

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ۝۲﴾ (الانفال)

''مؤمن تو بس وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل لرز اٹھتے ہیں اور جب اُن پر اُس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ اُن کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے ربّ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔''

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا۝۱۰۷ وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا۝۱۰۸ وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَیَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا۝۱۰۹﴾ (بنی اسراء یل)

''جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے' جب اُنہیں قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے' بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں روتے ہوئے اور یہ (قرآن) انہیں بڑھا دیتا ہے عاجزی اور رقت میں۔''

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ق وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ز وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ز وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ط اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝۵۸﴾ (مریم)

''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انبیاءؑ میں سے فضل کیا (یعنی) اولادِ آدمؑ میں سے اور اُن لوگوں میں سے جنہیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی اولاد میں سے اور اُن لوگوں میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا۔ جب اُن کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی تھیں تو وہ روتے روتے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔''

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ق تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط﴾ (الزمر:۲۳)

''اللہ نے نہایت اچھا کلام نازل فرمایا ہے (یعنی) ایک کتاب (جس کی آیات باہم) ملتی جلتی (ہیں) اور دہرائی جاتی ہیں' جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اُن کے بدن کے رونگٹے اس سے کھڑے ہو جاتے ہیں' پھر اُن کے بدن اور دل نرم (ہو کر) اللہ کی یاد کی طرف (متوجہ) ہو جاتے ہیں۔ یہی اللہ کی ہدایت ہے' وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

قرآنِ مجید کی یہ تاثیر دل پر کیوں نہ ہو جب کہ اِسی کتاب کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱﴾ (الحشر)

''اگر ہم اِس قرآن کو نازل کر دیں کسی پہاڑ پر تو یقیناً (اے نبی ﷺ!) آپ دیکھیں گے اُس پہاڑ کو کہ وہ جھک جائے گا اور پھٹ جائے گا اللہ کے خوف سے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔''

اگر خدانخواستہ ہمارے دلوں پر قرآنِ مجید سن کر رقت طاری نہ ہو تو یہ بہت بڑی محرومی ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ الحشر' آیت ۲۱ کی تفسیر میں اپنے والد ماجد کے

حسبِ ذیل اشعار لکھے ہیں جو قرآن کی تاثیر سے محروم لوگوں کو جھنجھوڑنے والے ہیں:

سنتے سنتے نغمہ ہائے محفلِ بدعات کو
کان بہرے ہو گئے' دل بدمزہ ہونے کو ہے!
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمۂ مشروع بھی
پارہ جس کے لحن سے طورِ ہدیٰ ہونے کو ہے!
حیف گر تاثیر اُس کی تیرے دل پر کچھ نہ ہو
کوہ جس سے خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا ہونے کو ہے!

(۶) عمل کی نیت سے قرآنِ مجید سننا

قرآنِ مجید اللہ کے محبوب بندوں کو عبادالرحمٰن یعنی رحمان کے بندے قرار دیتا ہے۔ اُن کے محاسن بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بیان کرتا ہے کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝۷۳﴾ (الفرقان)

''اور جب اُنہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اُن پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور سے سنتے ہیں)۔''

گویا ایسا نہیں ہوتا کہ قرآنِ حکیم کا پیغام بہرے کانوں سے ٹکرا رہا ہو اور اُس کی تعلیمات بینائی سے محروم آنکھوں کے سامنے پیش کی جا رہی ہوں۔ اللہ کے محبوب بندے قلب وذہن کی حضوری کے ساتھ قرآن سنتے ہیں تاکہ اُس سے اپنے سیرت وکردار کی اصلاح کر سکیں۔ اُن کے اِس وصف کو مزید وضاحت کے ساتھ اِس طرح بیان کیا گیا:

﴿وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ج فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝۱۷ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۱۸﴾ (الزمر)

''اور وہ کہ جو اجتناب کرتے ہیں طاغوت سے کہ اُس کی عبادت کریں اور رجوع کرتے ہیں اللہ کی طرف' اُن کے لیے خوشخبری ہے۔ (اے نبی ﷺ!) بشارت دیجیے میرے اُن بندوں کو جو بات (اللہ کا کلام) توجہ سے سنتے ہیں اور پھر اُس کی پیروی کرتے ہیں عمدہ طور پر۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی وہ لوگ ہیں جو عقل مند ہیں۔''

قرآنِ مجید نازل ہی اِس لیے ہوا ہے کہ اِس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ سورۃ الانعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۱۵۵﴾

''اور یہ کتاب ہم نے ہی اتاری ہے' برکت والی' پس اِس کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرو تاکہ تم پر مہربانی کی جائے۔''

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝۳۵ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝۳۶﴾ (الاعراف)

''اے بنی آدم! جب بھی ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آئیں اور ہماری آیات تمہیں سنائیں تو جو شخص (اُن پر ایمان لا کر اللہ سے) ڈرتا رہے گا اور اپنی حالت درست رکھے گا تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی وہی دوزخی ہیں' کہ ہمیشہ اُس میں (جلتے) رہیں گے۔''

﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۝۱۱۳﴾ (طٰہٰ)

''اور ہم نے اِس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے اور اس میں طرح طرح کے ڈراوے بیان کر دیے ہیں تاکہ لوگ پرہیزگار بنیں یا اللہ اُن کے لیے نصیحت کی نئی صورت پیدا کر دے۔''

﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۝۲۷ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۝۲۸﴾ (الزمر)

''اور ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے اِس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان فرمائی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (یہ) قرآن عربی ہے جس میں کوئی کجی (اور اختلاف) نہیں تاکہ وہ تقویٰ (کی روش) اختیار کریں۔''

قرآنِ حکیم پر ایمان تو اُسی شخص کا معتبر ہے جو اِس کی تعلیمات کو سننے کے بعد اُن کے سامنے سر جھکا دے:

﴿اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۝۱۵﴾ (السجدۃ)

''ہماری آیات پر تو وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب اُنہیں اِن آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے۔''

یہ حقیقت ہمیشہ سامنے رہے کہ قرآنِ حکیم کا اصل فہم تو اِسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جبکہ دین حق کے غلبے کے لیے اِسی طرح کی جدوجہد کی جائے جس طرح کی جدّوجہد کے دوران مختلف معاملات میں رہنمائی کے لیے قرآنِ حکیم نازل ہوتا رہا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ﴾ (العنکبوت:۶۹)

''اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنے راستوں کی ہدایت دیتے ہیں۔''

مولانا مودودیؒ نے ''تفہیم القرآن'' کے مقدمہ میں اِس نکتہ کی خوب وضاحت فرمائی ہے:

''لیکن فہم قرآن کی اِن ساری تدبیروں کے باوجود آدمی قرآن کی روح سے پوری طرح آشنا نہیں ہونے پاتا جب تک کہ عملاً وہ کام نہ کرے جس کے لیے قرآن آیا ہے۔ یہ محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے کہ آپ آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر اِسے پڑھیں اور اِس کی ساری باتیں سمجھ جائیں۔ یہ دنیا کے عام تصورِ مذہب کے مطابق ایک نری مذہبی کتاب بھی نہیں ہے کہ مدرسے اور خانقاہ میں اِس کے سارے رموز حل کر لیے جائیں۔ یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ اِس نے آتے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشۂ عزلت سے نکال کر خدا سے پھری ہوئی دنیا کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ باطل کے خلاف اِس سے آواز اٹھوائی اور وقت کے علمبردارانِ کفر و فسق و ضلالت سے اِس کو لڑا دیا۔ گھر گھر سے ایک ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو کھینچ کھینچ کر لائی اور داعیٔ حق کے جھنڈے تلے اِن سب کو اکٹھا کیا۔ گوشے گوشے سے ایک ایک فتنہ جُو اور فساد پرور کو بھڑکا کر اٹھایا اور حامیانِ حق سے اِن کی جنگ کرائی۔ ایک فردِ واحد کی پکار سے اپنا کام شروع کر کے خلافتِ الٰہیہ کے قیام تک پورے ۲۳ سال یہی کتاب اِس عظیم الشان تحریک کی رہنمائی کرتی رہی اور حق و باطل کی اِس طویل و جاں گسل کشمکش کے دوران ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلہ پر اِسی نے تخریب کے ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بتائے۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے نزاعِ کفر و دین اور معرکہ اِسلام و جاہلیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اِس کشمکش کی کسی منزل سے گزرنے کا آپ کو اتفاق ہی نہ ہوا ہو اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ پڑھ کر اِس کی ساری حقیقتیں آپ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں۔ اِسے تو پوری

طرح آپ اُسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اِسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کریں اور جس جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی جائے اِسی طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں۔ تب وہ سارے تجربات آپ کو پیش آئیں گے جو نزولِ قرآن کے وقت پیش آئے تھے۔''

(۷) عملی امور پر ہی توجہ دینا

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے امور کا بھی ذکر کیا ہے جو ہم پر اللہ کی بے مثال قدرت کو ظاہر کرتے ہیں لیکن اُن کا سمجھنا ہماری ناقص عقل کے لیے ممکن نہیں ہے' جیسے معجزات' احوالِ آخرت' مستقبل کے بعض واقعات وغیرہ کا بیان۔ ہمارے لیے محفوظ راستہ یہ ہے کہ ہم اِس طرح کے امور پر توجہات مرتکز نہ کریں اور غور وفکر کا میدان صرف عملی امور کو بنائیں جنہیں قرآن محکم قرار دیتا ہے۔ اِس حوالے سے قرآنِ مجید میں رہنمائی دی گئی:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝۹﴾ (آلِ عمران)

''وہی تو ہے جس نے آپؐ پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیات محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مرادِ اصلی کا پتا لگائیں' حالانکہ مرادِ اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں پختگی رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے' یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ اور نصیحت تو عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اُس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر دینا اور ہمیں اپنے پاس سے نعمت عطا فرما' تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے رب! تو اُس روز جس (کے آنے) میں کچھ بھی شک نہیں سب لوگوں کو (اپنے حضور میں) جمع فرمائے گا۔ بے شک اللہ خلافِ وعدہ نہیں کرتا۔''

عملی امور کے اعتبار سے قرآنِ حکیم ہمیں عقائد اور زندگی کے مختلف شعبہ جات کے

حوالے سے اوامر و نواہی کے بارے میں اصولی رہنمائی عطا فرماتا ہے۔ اِن کے تفصیلی فہم کے لیے ہمیں احادیث مبارکہ' سنت نبوی ﷺ' اقوال و آثارِ صحابہ اکرامؓ اور سلف صالحینؒ کی تعلیمات اور عمل سے رہنمائی لینی چاہیے تاکہ ہم انکارِ حدیث اور استخفافِ سنت کے فتنہ سے محفوظ رہ سکیں' بقول شاعر:

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

(۸) قرآن حکیم کی تعلیمات کو عام کرنے کی نیت رکھنا

قرآنِ مجید سنتے ہوئے یہ نیت وارادہ کیا جائے کہ ہم نورِ قرآن کو عام کرنے کی اپنی سی پوری کوشش کریں گے۔ اِس حوالے سے ہمارے لیے ایک بڑی عظیم مثال سورۃ الاحقاف میں بیان کی گئی ہے:

﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝۲۹ قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۳۰ یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۳۱ وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۳۲﴾

''اور جب ہم نے جنّوں میں سے ایک جماعت آپؐ کی طرف متوجہ کر دی کہ وہ قرآن کو غور سے سن رہے تھے تو جب وہ اُس کے پاس آئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ پھر جب (پڑھنا) تمام ہوا تو اپنی برادری کے لوگوں میں واپس گئے کہ (اُنہیں) خبردار کریں۔ کہنے لگے کہ اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد نازل ہوئی ہے' جو (کتابیں) اِس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں اُن کی تصدیق کرتی ہے (اور) سچا (دین) اور سیدھا راستہ بتاتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرو اور اُس پر ایمان لاؤ' اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دکھ دینے والے عذاب سے پناہ میں رکھے گا۔ اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے گا تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا اور نہ

اللہ کے سوا اُس کے حمایتی ہوں گے۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔''

جِنّات نے ایک بار نبی اکرم ﷺ سے قرآنِ مجید سنا اور فوراً ہی اُس کے مبلغ بن کر اپنی قوم کی طرف لوٹے۔ اللہ تعالیٰ یہ سعادت ہمیں بھی عطا فرمائے' کیونکہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ)) (رواہ البخاری) ''تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور اُسے سکھائیں''۔ اِس عظیم سعادت کے حصول کو آسان بنانے اور تدریج کے ساتھ حاصل کرنے کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا: ((بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً)) (رواہ البخاری) ''میری طرف سے تبلیغ کرو خواہ ایک ہی آیت ہو۔''

(۹) قرآن کی قدر کرنے والوں کے لیے انعام

ہماری خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآنِ مجید جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے۔ اب اگر ہم اِس کتاب کی تعلیمات پر عمل کریں گے اور اِن کی تبلیغ کریں گے تو اللہ تعالیٰ عظیم انعامات سے نوازے گا۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾﴾ (النساء)

''لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس دلیل (قرآن کی صورت میں) آ چکی ہے اور ہم نے (کفر اور ضلالت کا اندھیرا دور کرنے کے لیے) تمہاری طرف ایک چمکتا ہوا نور (قرآن) بھیج دیا ہے۔ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس (قرآن) کے ساتھ چمٹ گئے' وہ اُنہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور اپنی طرف (پہنچنے کا) سیدھا راستہ دکھائے گا۔''

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾ نِ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾﴾ (فاطر)

''پھر ہم نے اُنہیں کتاب کا وارث ٹھہرایا جنہیں اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا۔ تو کچھ تو اُن میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں' اور کچھ میانہ رَو ہیں' اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔ یہی تو بڑا فضل ہے۔ رہنے والے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے' وہاں اُن کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے' اور اُن کی پوشاک ریشمی ہوگی۔ وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دُور کر دیا' بے شک ہمارا پروردگار بخشنے والا (اور) قدردان ہے' جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشہ کے رہنے کے گھر میں اتارا۔ یہاں نہ تو ہمیں رنج پہنچے گا اور نہ ہمیں کوئی تھکاوٹ ہوگی۔''

(۱۰) قرآن حکیم سننے کے بعد اِس سے اعراض کا انجام

ایسے بدنصیب لوگ جو قرآنِ مجید سنیں لیکن اُس کی تعلیمات سے اعراض کریں' قرآن کی نگاہ میں مجرم ہیں اور شدید عذاب سے دوچار ہوں گے:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾﴾ (السجدة)

''اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کو اُس کے رب کی آیات سے نصیحت کی جائے پھر وہ اُن سے منہ پھیر لے۔ بے شک ہم ایسے مجرموں سے ضرور بدلہ لینے والے ہیں۔''

﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْۗءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾﴾ (الانعام)

''سو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل' ہدایت اور رحمت آ گئی ہے۔ تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرے اور اُن سے کنی کترائے! جو لوگ ہماری آیتوں سے کنّی کتراتے ہیں' اِس کنّی کترانے کے سبب ہم اُن کو بُرے عذاب کی سزا دیں گے۔''

﴿وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰي مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ

مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴿۵۹﴾﴾ (الزمر)

''اور اِس نہایت اچھی (کتاب) کی جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے پیروی کرو اِس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ (مبادا اُس وقت) کوئی شخص کہنے لگے کہ ہائے اُس تقصیر پر افسوس ہے جو میں نے اللہ کے حق میں کی اور میں تو مذاق کرنے والوں ہی میں شامل رہا۔ یا یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں ہوتا۔ یا جب عذاب دیکھ لے تو کہنے لگے کہ اگر مجھے پھر ایک دفعہ دنیا میں جانا ہو تو میں نیکوکاروں میں ہو جاؤں۔ (اللہ فرمائے گا) کیوں نہیں میری آیات تیرے پاس پہنچ گئی تھیں مگر تو نے اُن کو جھٹلایا اور شیخی میں آ گیا اور تو بھی (عملی طور پر) کافروں ہی میں سے تھا۔''

﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۸﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ﴿۹﴾﴾ (الاعراف)

''اور اُس روز وزن ہی فیصلہ کن ہوگا۔ پس جن کے نیکی کے پلڑے بھاری ہوئے تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ اور جن کے نیکی کے پلڑے ہلکے ہوئے تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈال دیا بسبب اِس کے کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔''

﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ﴿۱۰۸﴾﴾ (المؤمنون)

''اور جن کے نیکی کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا' ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ آگ اُن کے مونہوں کو جھلس دے گی

اور وہ اُس میں بدشکل ہو چکے ہوں گے۔ (اللہ تعالیٰ پوچھے گا) کیا تمہیں میری آیات پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں تو تم اُن کو سنتے تھے اور جھٹلاتے تھے؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اِس (جہنم) میں سے نکال دے' اگر ہم پھر (ایسے کام) کریں تو یقیناً ہم ہی ظالم ہوں گے۔ اللہ فرمائے گا کہ اِسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔''

حرفِ آخر

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں۔ اُس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اُس نے ہمیں جہنم کی آگ سے بچانے اور جنت کی نعمتیں حاصل کرنے کے لیے وحی کے ذریعے ہدایت جیسی نعمت عطا فرمائی۔ ساتھ ہی آگاہ فرما دیا:

﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى﴿۱۲۳﴾﴾ (طٰہٰ)

''تو جس نے بھی میری ہدایت کی پیروی کی تو نہ وہ گمرہ ہوگا اور نہ ہی نامراد ہوگا۔''

اِس کے برعکس جس نے وحی سے غفلت برتی تو:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴿۱۲۶﴾﴾ (طٰہٰ)

''اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو بے شک اُس کے لیے ہوگی گزران تنگ اور ہم اسے اٹھائیں گے اندھا۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہے جبکہ میں تو دیکھنے والا تھا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اسی طرح سے تیرے پاس میری آیات آئی تھیں تو تو نے ان کو بھلا دیا تھا' اسی طرح سے آج تو بھی فراموش کر دیا گیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنِ کریم جیسی نعمت کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے خصوصی فضل سے روزانہ اِس نعمت کی تلاوت کرنے' اِس کا فہم حاصل کرنے' اِس کے احکامات پر عمل کرنے' اِس کے اجتماعی احکامات کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرنے اور اِس کی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچانے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

تعارفِ قرآن بزبانِ قرآن

راجا رشید محمود

۞ قرآن مجید ربّ قدوس ولایزال جل وعلا کا کلام ہے۔اس کا پہلا حرفِ تعارف یہ ہے:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ﴾ (البقرۃ : ۲)

''یہ ایسی کتاب ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔''

جس میں کسی طرح کا کوئی ابہام نہیں' جس میں سب کچھ کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے' جس کے موضوعات میں کوئی تضاد نہیں۔

۞ قرآن کریم کا ایک تعارف یہ ہے کہ:

﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹﴾ (الحجر)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ہم خود اس کے محافظ ہیں۔اس کی محافظت کی ذمہ داری بھی خالق و مالک حقیقی جل شانہ نے اس طرح سنبھالی ہے کہ دوسری الہامی کتابوں کی طرح اس میں کوئی تبدیلی' کوئی ہیرا پھیری قیامت تک نہیں ہوسکتی۔اس کے حروف' الفاظ' اوقاف' سب محفوظ ہیں۔

۞ قرآن حکیم کا ایک تعارف یہ ہے کہ یہ حکمت کا منبع ومصدر ہے:

﴿يٰسٓ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ۝۲﴾ (یٰسٓ)

مالک حقیقی نے اس حکمت والے قرآن کی قسم کھائی۔

۞ پھر یہ وہ کتاب ہے جس کے ذریعے خداوند کریم جل جلالہ نے انسان کو وہ علم سکھایا' وہ حقیقتیں بتائیں' جن سے وہ پہلے واقف نہ تھا:

﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۝۵﴾ (العلق)

۞ یہ مقدس کلام نصیحت سکھاتا ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۝۱۷﴾ (القمر)

''ہم نے بے شک آسان کیا قرآن کو نصیحت کے لیے' تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے!''

۞ یہ رہنما کتاب سب لوگوں کے لیے بصیرت کا منبع ہے:

﴿هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ﴾ (الجاثیۃ : ۲۰)

۞ ربّ ذوالجلال جل شانہ العظیم نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل:۸۹)

''یہ کتاب جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے' جملہ علوم وحقائق کا سرچشمہ ہے۔''

۞ قرآن مجید کا بہت بڑا تعارف یہ ہے کہ یہ بے عدیل و بے نظیر ہے۔اس کا اسلوب' اس کے مضامین' اس کی پرحکمت تبلیغ کا انداز بے مثیل ہے۔اسی لیے اس کی تحدی کا' چیلنج کا جواب چودہ سو سال کے عرصے میں کوئی نہ دے سکا۔قرآن نے:

﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪﴾ (البقرۃ : ۲۳)

کا چیلنج پوری دنیا کو دیا۔کوئی اس جیسی ایک سورۃ ہی لا کے دکھاتا!

۞ قرآن کا موضوع انسان ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی تخلیق احسن تقویم سے کی ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۝۴﴾ (التین)

''ہم نے انسان کو نہایت خوب صورت سانچے میں ڈھالا۔''

آدمی کو اشرف المخلوق بنایا گیا۔ربّ کریم چاہتا ہے کہ اس کی سب سے اشرف اور اہم تخلیق ایسے کام کرے جس سے اس کی دنیا بھی سنورے اور آخرت میں بھی کامیابی اس کے قدم چومے۔خالق عوالم جل وعلا نے اپنے کلام کے ذریعے انسان کو سیدھی راہ دکھائی ہے' حق سجھایا ہے اور باطل سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

۞ قرآن مجید عقائد' عبادات اور معاملاتِ زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کے لیے مکمل دستورالعمل ہے۔

۞ قرآن مجید انسانوں کو محبت' پیار اور اپنائیت کے ساتھ رہنے اور سکون واطمینان سے زندگی گزارنے کے آداب سکھاتا ہے۔

۞ یہ حنان ومنان خالق کا ایسا کلام ہے' جو رنگ ونسل کی عصبیتوں اور تعصّبات کی تغلیط کرتا ہے اور ''اتقا'' کو انسان کی منزلِ مراد گردانتا ہے:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ﴾ (الحجرات: ۱۳)

''تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اچھا وہ ہے جو متقی ہے' پرہیزگار ہے۔''

۞ قرآن کریم ہمیں عدل وانصاف کی اہمیت بتاتا ہے کہ اسی کے ذریعے تقویٰ کی منزل پر پہنچا جاسکتا ہے:

﴿اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ (المائدۃ : ۸)

''عدل کرو کہ یہ تقویٰ کے نزدیک تر ہے۔''

۞ قرآن حکیم کا تعارف یہ ہے کہ یہ سچائیوں کو واضح طور پر بیان کرتا ہے' بندوں کو سچا دیکھنا چاہتا ہے' انسانوں کے لیے گفتار وکردار کی ہم آہنگی پر زور دیتا ہے اور زبان وعمل کے تفاوت کی منافقت کے خلاف ہے:

﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (الصف)

یعنی جو کرنا نہیں' وہ کہنا نہیں! اور جو کہنا ہے وہی کرنا ہے!

۞ انسان کی آنکھ سب سے پہلے عائلی زندگی دیکھتی ہے۔ قرآن مجید نے حسن سلوک کے اوّلین حق دار والدین کو قرار دیا ہے:

﴿وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ (البقرۃ : ۸۳)

بلکہ فرمایا:

﴿اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ﴾ (لقمٰن : ۱۴)

''کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرو۔''

اگر ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو:

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا﴾ (بنی اسرائیل)

انھیں اُف تک نہیں کہنا' انھیں جھڑکنا نہیں اور ان سے میٹھی میٹھی باتیں کرنی ہیں۔

کلامِ خالق و مالک میں خاوند بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے۔ یہاں اولاد کی تربیت پر زور ہے۔ اولاد کو اللہ کی دین بتایا ہے' لیکن جب یہ رضائے الٰہی سے روگردانی کی موجب بن جائے تو فتنہ بن جاتی ہے۔ قرآن پاک میں رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور پڑوسیوں' ملازموں' یتیموں' مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کی راہ دکھائی گئی ہے۔

۞ پھر انسان کو مجلسی اور معاشرتی زندگی کے معاملات پیش آتے ہیں۔ یہاں قرآن تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتا ہے اور ان کے ساتھ محبت' اخوت اور پیار سے رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔

۞ قرآن کریم کا ایک تعارف یہ ہے کہ یہ ایک ایسے صالح اور پُرسکون معاشرے کا داعی ہے' جس میں رنجشیں' مخاصمتیں' مخالفتیں اور دشمنیاں نہ ہوں' بلکہ محبت ہو' اپنائیت ہو' ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شامل ہونے اور شامل رہنے کی للک ہو۔

۞ قرآن مقدس نے معاشرے میں لڑائی جھگڑے کی راہ پر نہ چلنے کو کہا ہے۔ غصہ پی جانے والوں اور لوگوں کو معاف کر دینے والوں کو محسنین گردانا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسوں سے محبت کرتا ہے:

﴿وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾

(اٰل عمران)

۞ بین الاقوامی زندگی میں قرآن عہد کی پابندی' بنیادی انسانی حقوق کی حفاظت' صلح و جنگ کے اصول' غیر مسلموں سے سلوک' ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت اور دوسروں کے معبودانِ باطل کو بھی برا نہ کہنے کی ہدایت دیتا ہے۔

۞ قرآن مجید حقوق العباد کا ایک مکمل اور متوازن نظام دیتا ہے۔

۞ کلام اللہ میں وہ اساسی صداقتیں بیان کی گئی ہیں جن پر یہ کائنات چل رہی ہے۔

۞ قرآن مجید کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ صاحبِ ایمان لوگوں کو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کی تلقین کرتا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪﴾ (البقرۃ : ۲۰۸)

مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ عبادت تو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر کرو' لیکن سیاست کرنے اور حکومت چلانے کے لیے نظام' مغرب سے ادھار لے لو اور معیشت کے اصول کہیں اور سے سیکھنے کے لیے چلے جاؤ۔

۞ مسلمانوں کو قرآن کی ایک واضح ہدایت یہ ہے کہ:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۪﴾ (آل عمران : ۱۰۳)

''اللہ کی رسی کو مل جل کر مضبوطی سے پکڑے رکھو اور فرقہ بندی کے نزدیک نہ جانا۔''

۞ قرآن پاک نے رذائل اخلاق سے بچنے کو کہا ہے:

﴿وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ (الحج)

مصلحت کے تحت بھی جھوٹ بولنے سے بچو۔ اور فرمایا:

﴿فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾ (آل عمران)

جولوگ عادتاً جھوٹ بولتے ہیں یا عام طور پر جھوٹ بولتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ فرمایا:

﴿وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (آل عمران)

''اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾ (الانفال)

''اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو اچھا نہیں سمجھتا۔''

﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (الانعام)

''وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''

فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن نے شیطانوں کا بھائی کہا ہے۔

حکم دیا گیا کہ افتراء، بدگوئی، غیبت، عیب جوئی، استہزاء، تعصب اور بخل سے بچو، زمین پر اکڑ کر نہ چلو، ناپ تول میں کمی نہ کرنا، وغیرہ۔

قرآن حکیم ایک معاشی نظام دیتا ہے، جس میں کمائی کے ذرائع کی جائز اور ناجائز حدود متعین ہیں۔ احتکار کی ممانعت ہے، ناجائز طریقوں سے خرچ کی روک تھام سے دولت کے ضیاع کے تمام دروازے بند کر دیتا ہے اور اکتنازِ زر کے مرتکبین کو اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں کو دردناک سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔ فرمایا گیا:

﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ﴾ (البقرۃ: ۲۱۹)

''یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ انھیں کہہ دیجیے کہ جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو!''

پھر قرآن نے تقسیم دولت اور گردشِ زر کا مثالی نظام دیا ہے۔ زکوٰۃ ہے، عشر ہے، صدقات کا وسیع شعبہ ہے۔ پھر بھی کچھ بچ جائے تو قانونِ وراثت کے تحت تقسیم ہو جاتا ہے۔

۞ قرآن کریم انسان کو بار بار آخرت کی عدالت کا نقشہ دکھاتا ہے، جہاں کھرا کھوٹا الگ الگ ہو جائے گا۔ غرض قرآن کی زبان میں قرآن کا تعارف یہ ہے کہ یہ انسانی زندگی کے لیے واحد رہنما دستور العمل ہے، جہاں ہر پہلو میں رہنمائی موجود ہے۔

(تشکر: ماہنامہ نورالحبیب)

۞۞۞

قرآن کا عجیب ہونا

محمد اقبال واحد

﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ﴾ (الجن)

''(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ وحی کی گئی ہے میری طرف یہ کہ اس قرآن کو سنا جنّوں کی ایک جماعت نے تو انہوں نے اپنی قوم سے جا کر کہا کہ ہم نے سنا ہے قرآنِ عجیب کو' جو راہ دکھاتا ہے رشد و ہدایت کی' چنانچہ ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔''

یہ سورۃ الجن کی ابتدائی آیات ہیں اور میں نے ان آیات ہی کو اپنے مقالے کا عنوان بنایا ہے۔ یعنی ''قرآن کا عجیب ہونا''۔

القرآن الحکیم براہِ راست خدا کا کلام ہے جو الٰہ واحد' الٰہ حقیقی' الٰہ مطلق' الٰہ فی الارض والٰہ فی السماء ہے۔ الٰہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ذات جس کی حقیقت و معرفت کی کُنہ کو جاننے میں جس حد تک کوشش' جس حد تک کاوش سے کام لیا جائے گا' سوائے تحیر و درماندگی' عجز و بے چارگی' شکستِ ادراک و فکر کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہاں معاملہ ''معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد'' کا ہے۔ وہ ذاتِ عالی اپنی ذات میں' اپنی صفات میں' اپنی صفات کی وسعتوں میں' پہنائیوں میں' گہرائیوں میں' گیرائیوں میں' قوتوں اور طاقتوں میں' قدر و اختیار میں' خوبیوں اور کمالات میں' جلال و جمال میں جس نکتہ عروج پر ہے' انسانی عقل اپنی رسائی میں اس حد تک نارسا ہے کہ وہ اُس کی ذات و صفات کے درجات کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اس اعتبار سے اگر غور کیا جائے تو بجا طور پر جنّوں نے اس کتاب کے مصنف کے بارے میں' جو ہر لحاظ سے' ہر اعتبار سے ماوراء الوریٰ ہے' اس کی کتاب کو ایک عجیب شے سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ قرآن ہر لحاظ سے' ہر اعتبار سے صوتِ کلام سے لے کر اعجازِ معانی تک' شکل ظاہری سے لے کر شکل معنوی تک' اپنے آغاز سے لے کر اپنی انتہا تک' ایک فرد کے لیے راہِ عمل ہونے سے لے کر پوری کائناتِ انسانی کے لیے نظامِ حیات ہونے تک' اپنے نظامِ تکوین سے لے کر نظامِ

تشریع تک عجائب ہی نہیں عجائبات کا ایک ایسا خزینہ ہے جس کے عجائبات قیامت تک تلاش کرنے والوں کو دُرِّ شہوار کی طرح ہاتھ تو آتے رہیں گے لیکن ختم نہیں ہوں گے۔

قرآن کا عجیب ہونا اس لحاظ سے بھی ہے کہ وہ دنیا کی تمام تر اَخلاقی پند و نصائح پر مشتمل کتب میں سے واحد کتاب ہے جو الکتاب ہے۔ جو اپنے اعجازِ بیان میں' زورِ بیان میں' طریقِ بیان میں' طریقِ استدلال میں' طریقِ استشہاد میں' اپنی قوتِ تعمیرِ فکر و کردار میں' اپنی قوتِ تسخیر میں' اپنی قوتِ انقلاب میں اپنی مثال آپ ہے' اپنا جواب آپ ہے۔ اور جہاں تک صحیفہ خداوندی ہونے کا تعلق ہے' ایک الہامی و سماوی کتاب ہونے کا تعلق ہے وہ فرقانِ حق و باطل ہے' برہانِ خیر و شر ہے' محاکمہ درمیانِ خوب و زشت ہے' وہ نور ہے' وہ مصدّق ہے' وہ صادق ہے' وہ مصدوق ہے' وہ ہدیٰ ہے' وہ الہدیٰ ہے' وہ قیم ہے' وہ اَقوم ہے' جو اپنی رعنائی بیان' اسلوبِ بیان' مضبوط طریقِ استدلال و استشہاد سے ایک تدریج کے ساتھ کمالِ حکمت و دانائی کے ساتھ فطرتِ انسانی کے تمام تر تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس راہ کی طرف بلاتی ہے جو راہِ نجات ہے' دنیا و آخرت میں ایک ایک فرد کے لیے بھی اور ایک ایک اجتماع کے لیے بھی۔

یہ اس لحاظ سے بھی عجیب ہے کہ براہِ راست پوری نوعِ انسانی کو مخاطب کرتی ہے۔ اس کے مخاطبین قیامت تک کے لوگ ہیں' خواہ وہ کسی عہد و اَدوار کے لوگ ہوں' کسی خطۂ زمین کسی زمان و مکان کے لوگ ہوں' وہ بلا امتیاز کسی اونچ نیچ کے' بلا کسی امتیازِ گورے اور کالے کے' بلا کسی امتیازِ رنگ و نسل کے' بلا کسی امتیاز بڑے اور چھوٹے کے' بلا کسی امتیازِ شاہ و گدا کے' بلا کسی امتیازِ خادم و مخدوم کے' بلا کسی امتیاز غلام و آقا کے' بلا کسی امتیازِ راعی و رعیت کے' بلا کسی امتیازِ امیر و غریب کے' بلا کسی امتیازِ زور دست و زیر دست کے' بلا کسی امتیاز بندگی و آقائی کے عبادتِ رب کی دعوت دیتی ہے۔ وہ خالقِ کائنات کے سوا ہر نوع کی حاکمیت (sovereignty)' پروردگاری' برتری' بالاتری' عبودیت' بندگی' غلامی کا انکار کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اس کائنات اور دیگر تمام کائناتوں کا اس مکلّف مخلوق انسان اور تمام غیر مکلّف مخلوقات کا واحد مالک' خالق' پروردگار' فرماں روا' حاکمِ مطلق' آمرِ مطلق' حاکم علی الاطلاق' قادر و قدیر' بزرگ و برتر ایک اور ایک یکتا و یگانہ اپنی ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریک ذوالجلال والاکرام اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ وہ کہتی ہے یہ کائنات بے خدا نہیں اور تم بھی بے خدا نہیں' اور خدا وہ ہے جو محض خالق نہیں' محض مالک نہیں' حاکمیت بس اُس کی حاکمیت ہے۔ ساورنٹی بس اُس کی ساورنٹی ہے'

جو اپنے زور و بل پر پوری کائنات پر بہ اعتبارِ تکوین کے اور کائناتِ انسانی پر بہ اعتبارِ تشریع کے قائم و دائم ہے‘ اور اس کی حاکمیت کلی اور مکمل توحیدِ خالص کی علم بردار ہر نوع کے شرک سے‘ ہر نوع کے باطل سے‘ ہر نوع کی منافقت سے‘ ہر نوع کے تناقض سے‘ ہر نوع کے تضاد سے‘ ہر نوع کے تساہل سے‘ ہر نوع کی کجی سے‘ کجروی سے‘ بے راہ روی سے‘ ناہمواری سے‘ بے انصافی سے‘ ظلم و جبر سے‘ خواہ وہ ایک فرد کا ہو یا ایک قوم کا ہو اس سے منع کرتی ہے‘ اس کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنا چاہتی ہے۔ وہ حق کو اور الحق کو جو اُس کے نزدیک الحق ہے‘ وہ اس نظامِ حیات کو جو اُس کے نزدیک نظامِ حیات ہے‘ وہ اس دین کو جو اُس کا دین ہے غالب اور مسلط کر دینا چاہتی ہے۔ وہ خدائے واحد کی حاکمیت میں کسی محدودیت‘ کسی شراکت کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ جس حق کو پیش کرتی ہے اس کے بارے میں اس کا مطالبہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ کوئی نہ کوئی حصہ کوئی شعبہ اس حق کی فرمانروائی سے باہر نہیں ہے۔ پھر وہ اس حق کو یعنی خدائے واحد کی حاکمیت کو زمین کے گوشے گوشے تک پہنچانا اور قائم کرنا چاہتی ہے کہ حق کے فوائد سے ہر ذی روح ہر متنفس بہرہ ور ہو۔ وہ انسان وہ انسانیت جو شرک کی وادیوں میں نام نہاد خداؤں کے حضور مصنوعی اور جعلی اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کے دعوے دار‘ صنم و اصنام‘ قبور و مقابر‘ زندہ اور مردہ کے آستانوں استھانوں پر ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتی چلی آ رہی ہے‘ سنگ مرمر کی سلوں اور سنگِ سرخ و سنگِ سیاہ کے پتھروں اور گوشت پوست کے بے شمار فراعنہ اور نمارد‘ قصارہ و کسریٰ‘ درختوں‘ سمندروں‘ دریاؤں‘ چاندوں‘ سورجوں‘ بندروں‘ لنگوروں‘ سانپوں اور بچھوؤں کے سامنے یہ اشرف مخلوق سر بہ زانو ہے‘ سر بسجدہ ہے‘ سرنگوں ہے‘ ایک خدا‘ ایک ایمان‘ ایک نبوت‘ ایک رسالت‘ ایک کتاب‘ ایک آخرت پر قلبی یقین و ایمان لا کر اپنے اس مقامِ شرف و منزلت کو حاصل کرے جو خالق کائنات کی جانب سے اس کے لیے مقدر ہے۔

گویا وہ پوری نوعِ انسانی کی اجتماعی زندگی میں ایسے انقلاب کی داعی ہے جو نہ جزوی انقلاب ہے‘ نہ وقتی انقلاب ہے‘ نہ جسم و جسد کا انقلاب ہے‘ نہ کسی عہد و ادوار کا انقلاب ہے‘ نہ کسی زمان و مکان کا انقلاب ہے۔ وہ ایک کامل اور مکمل انقلاب ہے‘ ایک ایک فرد کے قلوب و اذہان کا انقلاب ہے۔ ایک ایک معاشرہ کا انقلاب ہے‘ ایک ایک ریاست کا انقلاب ہے‘ پوری نوعِ انسانی کا انقلاب ہے‘ گویا بین الاقوامی انقلاب ہے‘ بین الانسانی انقلاب ہے۔ اور وہ انقلاب وہی ہے جو اوپر عرض کیا گیا کہ پوری نوعِ انسانی فرد سے لے کر اجتماع تک بدل جائے‘ ان کے

قلوب و اذہان بدل جائیں‘ صورتیں بدل جائیں‘ سیرتیں بدل جائیں‘ فکر کے انداز بدل جائیں‘ کردار کے انداز بدل جائیں‘ زمین بدل جائے‘ آسمان بدل جائے۔ اور وہ انقلاب بس یہ ہے کہ ایک فرد کی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک پوری نوعِ بشری خالق کائنات کی حاکمیت و ساورنٹی کو بہ دل و جان قبول کرے کہ یہی اس کے لیے دنیا و آخرت میں راہِ سود و بہبود ہے‘ راہِ فلاح و صلاح ہے‘ راہِ نجات و مغفرت ہے۔ محض آخرت کی حد تک نہیں‘ دنیا کی حد تک بھی کہ پوری انسانی برادری جب خداوندی نظام و قسط کو اختیار کر لے گی تو وہ سب کے سب تکوینی طور پر تو خدا کے بندے ہیں تشریعی اعتبار سے بھی جب خدا کے بندے ہوں گے تو نہ کوئی خادم ہوگا اور نہ کوئی مخدوم‘ نہ آقا ہوگا اور نہ کوئی غلام‘ نہ کوئی زور آور ہوگا اور نہ کوئی بے زور‘ نہ کوئی زبردست ہوگا اور نہ کوئی زیردست‘ نہ کوئی راعی ہوگا اور نہ کوئی رعیت‘ نہ کوئی جہاں پناہ ہوگا اور نہ کوئی بے پناہ‘ نہ کوئی شاہجہاں ہوگا اور نہ کوئی بے جہاں‘ نہ کوئی عالمگیر ہوگا اور نہ کوئی بے گیر۔ سب کے فرائض یکساں‘ سب کے حقوق یکساں‘ سب کے مال محترم‘ سب کی جانیں محترم‘ سب کے سب خدا کے مملوک‘ اس کی سلطنت کے راعی‘ ایک ہی قانون سب کے لیے‘ ایک ہی ضابطہ سب کے لیے۔ سب کے سب ایک ملک کے شہری‘ سب کے سب ایک لشکر کے غازی‘ سب کے سب ایک صف کے نمازی‘ ایک معبد کے پجاری‘ ایک عبادت گاہ کے عابد۔

یہ اس لحاظ سے بھی عجیب کہ گویا کتاب ہے لیکن الکتاب ہے‘ جس کا موضوع انسان ہے۔ انسان کا تزکیہ و تہذیب‘ نفس انسان کے لیے فلاح و کامرانیٔ آخرت کی ضامن‘ دُنیوی فلاح و اطمینان کی ضامن۔ وہ آئی ہے اس دعوے کے ساتھ کہ وہ لَارَیْبَ فِیْهِ ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب نہیں جو اپنے بارے میں لَارَیْبَ فِیْهِ کا دعویٰ کر سکے۔ وہ یَهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ کے پیام کے ساتھ آئی ہے‘ یعنی وہ پورے نوعِ بشری کی راہنمائی کرتی ہے‘ اس راہ کی جانب جو راہِ مستقیم ہے‘ جو راہِ فطری ہے‘ جو راہِ عقلی ہے اور جو راہِ وجدانی ہے۔

وہ اس لحاظ سے بھی عجیب کہ اس نے جہانِ علم و ادب میں فصاحت و بلاغت‘ انشاء و زبان‘ لسان و کلام‘ طریق استدلال و استشہاد کا جو معیار قائم کیا ہے دنیا کی کوئی کتاب اس کا اس میدان میں مقابلہ کرنے کا تصور تک نہیں کر سکتی۔ اس کتاب نے آج سے پندرہ سو سال پہلے زبان و کلام کا جو معیار قائم کیا تھا‘ اختیار کیا تھا‘ پندرہ صدیاں گزرنے کے باوجود وہ زبان انچ بھر آگے نہیں سرک سکی‘ انچ بھر پیچھے نہیں آ سکی‘ جبکہ زبانیں مرورِ زمانہ سے بدل کر کچھ سے کچھ

ہو جاتی ہیں۔ اس صحیفۂ خداوندی کی زبان اس قدر پاک صاف اور ستھری زبان ہے کہ اس میں سے ایک لفظ تک کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی جو رکیک ہو‘ بے محاورہ ہو‘ بے مفاد ہو‘ بے وجہ ہو‘ بے سبب ہو۔ پھر وہ جس پروگرام کی حامل ہے وہ اس قدر جامع اور مانع کہ قیامت تک اس میں نہ کسی ترمیم کی ضرورت ہے نہ تنسیخ کی حاجت۔ وہ ہر زمانے کے مسائل کا حل ہر زمانے کے تقاضے‘ ضرورت‘ صورت‘ مشکل‘ اشکال کا جواب کافی وافی شافی۔

وہ اس لحاظ سے بھی عجیب کہ پندرہ سو سال میں کسی تحریف کی شکار نہیں ہوئی۔ کسی کو یہ جرأت ہی نہ ہوئی کہ وہ اس میں تحریف کر سکے۔ یہ نہیں کہ جرأت کی نہ گئی ہو۔ عہد نبوی ﷺ میں اور بعد کے ادوار میں یہودیوں‘ نصرانیوں‘ سناتن دھرمیوں‘ برہموسماجیوں کی طرف سے کوئی دقیقہ تحریف نہیں اٹھا رکھا گیا لیکن وہ منہ کے بل گر کر رہے۔ اس کتاب نے چیلنج کیا تھا اس زمانے کے دانشوروں کو اور وہ چیلنج قیامت تک کے دانشوروں کے لیے موجود ہے کہ اس کے مقابلہ کی ایک کتاب‘ برسبیلِ تنزل ایک سورۃ‘ برسبیلِ تنزل دس آیات بنا کر لا دکھائیں۔ لیکن نہ اس وقت کے قریش کے ہاں جن کی یہ اپنی مادری زبان تھی اور جو اپنے سوا پوری دنیا کے انسانوں کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے کوئی مائی کا لال پیدا ہوا جو اس چیلنج کو قبول کرنے کی ہمت کرتا اور نہ بعد کے حکماء و علماء فلاسفہ اور نابغہ (genius) یہ جرأت کر سکے۔ جرأت کرنا تو بڑی بات ہے جرأت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکے—— اور آگے چلیے! اس کتاب نے انسانیت کی فلاح کے لیے جو پروگرام پیش کیا ہے اس سے بہتر پروگرام یا کم از کم اس کے مقابلے کا پروگرام کوئی تو پیش کرتا کہ انسانیت جس الجھن‘ مصیبت‘ پریشانی‘ آفت‘ دکھ درد میں گرفتار ہے‘ دھکوں پر دھکے کھاتی چلی آ رہی ہے—— امپیریل ازم سے دھکا کھاتی ہے تو سوشلزم کی طرف دوڑتی ہے‘ ملوکیت سے دھکا کھاتی ہے تو جمہوریت کی طرف آتی ہے اور جمہوریت سے نالاں ہوتی ہے تو آمریت کے سائے میں پناہ لیتی ہے اور جب کہیں پناہ نہیں ملتی تو خودکشی کے سوا اسے کوئی راہ نظر نہیں آتی—— لیکن کسی کے پاس اس مصیبت کا مداوا اس درد کا درماں ہوتا تو پیش کرتا۔ یہ صرف اور صرف اس کتاب کا اعجاز ہے‘ افادیت ہے جو انسان کو ہر نوع کے استحصال سے نجات دلاتی ہے۔ اور یہ کوئی محض نظری بات نہیں۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں اس نے یہ کر کے دکھایا ہے کہ انسان کو من جملہ انواعِ استحصال سے نجات ملی ہے۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی عجیب کہ وہ جو نظامِ معروف و منکر پیش کرتی ہے وہ عین فطرتِ

انسانی کے مطابق ہے۔ یعنی آج تک کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکا اور آئندہ بھی نہیں کہہ سکے گا‘ خواہ وہ ملحد ہو‘ زندیق ہو‘ کافر ہو‘ فاسق ہو‘ فاجر ہو کہ کذب بہتر ہے صدق سے‘ ظلم بہتر ہے رحم سے‘ سنگدلی بہتر ہے رأفت سے‘ خیانت بہتر ہے دیانت سے‘ باطل بہتر ہے حق سے‘ ناجائز بہتر ہے جائز سے‘ حرام بہتر ہے حلال سے‘ جہالت بہتر ہے علم سے۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی عجیب کہ وہ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا ہے تو یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا بھی ہے۔ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا تو ظاہر ہے یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا ان کے حق میں ہے جو اپنے ذہنی تراشیدہ مزعومہ عقائد کو‘ تفسیر بالرائے کو‘ اس کتاب سے ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔ وہ الفاظ تو بدل نہیں سکتے‘ کہ وہ براہِ راست اُس کے تحفظ میں ہیں جس کا یہ کلام ہے‘ معانی بدل دیتے ہیں‘ آیات کا مدلول بدل دیتے ہیں۔ اور پھر کیا ہوتا ہے؟ وہ اپنا منہ لٹکا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے نظریات جن کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے قرآن پر اپنا زور صرف کیا تھا کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بن کر رہ جاتے ہیں۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی عجیب کہ جہاں وہ ایک ایک فرد کے روح و وجدان کا تزکیہ کرتی ہے‘ اسے مزکّی اور متّقی بناتی ہے‘ موحّد اور متوکّل بناتی ہے‘ صابر و شاکر بناتی ہے‘ امارتِ حق اور اقامت دین کا سپاہی بناتی ہے‘ پورے کے پورے ماحول کو اور معاشرے کو اس رنگ میں رنگ دیتی ہے جس کا نام اس کی زبان میں صبغۃ اللہ ہے‘ حزب اللہ ہے۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی عجیب کہ ایک عامی اس سے ہدایت کا طالب ہوتا ہے تو بخل سے کام نہیں لیتی اور اگر ایک دقیقہ رس اور نکتہ رس مدبر اس کے بحرِ زخّار میں غوطہ زنی کرتا ہے تو دُرِّ شہوار نکال لے آتا ہے‘ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری و ساری ہے اور جاری و ساری رہے گا۔

یہ کتاب اس اعتبار سے بھی عجیب کہ کوئی فرد یہ شکایت نہیں کر سکتا‘ کوئی معاشرہ یہ شکایت نہیں کر سکتا‘ کوئی ریاست یہ شکایت نہیں کر سکتی کہ اس کی زندگی کے فلاں فلاں گوشوں میں قرآن سے اسے راہنمائی نہیں ملتی۔ وہ اگر فرد کو فکر و کردار کی تطہیر دیتی ہے‘ اس کی زندگی کے تمام گوشوں‘ شعبوں اور حصص میں‘ ٹھیک اسی طرح سے ایک معاشرہ کو اپنی معیشت میں‘ اپنی معاشرت میں‘ اپنے لین دین میں‘ اپنے رہن سہن میں‘ اپنے داد و ستد میں‘ اپنے سلام و کلام میں‘ اپنی نشست و برخاست میں‘ اپنی خوراک و پوشاک میں راہنمائی دیتی ہے تو ٹھیک اسی طرح ایک ریاست کو اپنے معاملاتِ سلطنت میں‘ اپنی مجالسِ قانون ساز میں‘ اپنی مجالسِ پارلیمان

میں‘ اپنی ایوانِ شوریٰ میں‘ ایوانِ صدارت و وزارت میں‘ عدلیہ‘ انتظامیہ‘ مقنّنہ میں‘ دفتر میں‘ دفاتر میں‘ قانون سازی میں‘ دستور سازی میں راہنمائی دیتی ہے۔ وہ اگر ایک فرد کو توحید کے اصول دیتی ہے‘ ایک خدا‘ ایک پروردگار‘ ایک مالک‘ ایک خالق‘ ایک حاکم‘ ایک فرمانروا‘ ایک ولی‘ ایک والی‘ ایک مددگار‘ ایک رستگار‘ ایک نافع‘ ایک ضار‘ ایک حاجت روا‘ ایک مشکل کشا‘ ایک فریادرس‘ تو ایک ریاست اور معاشرہ کو بھی یہ اصول دیتی ہے کہ ایک حاکمیت‘ ایک سروری‘ ایک ساورنٹی اور وہ خدائے واحد و یکتا و یگانہ کی ہے۔ وہ ایک ایک فرد کو اگر شرکِ نفسی‘ شرکِ عبودیت ابلیس‘ شرکِ صنم و اصنام‘ شرکِ سورج و قمر‘ شرکِ قبور و مقابر سے روکتی ہے تو ریاست کو بھی شرکِ قومیت‘ شرکِ وطنیت سے باز رہنے کی تلقین کرتی ہے۔ وہ ایک ایک فرد کے لیے اگر فضائل اخلاق کا اہتمام کرتی ہے‘ رذائل اخلاق کی بیخ کنی کرتی ہے تو معاشرہ اور ریاست کے حق میں بھی یہ کام کرتی ہے۔ وہ عدلیہ کے حضور اگر ایک عام آدمی کو لا کھڑا کرتی ہے تو کسی جہاں پناہ‘ کسی شاہ جہاں‘ کسی امیر المؤمنین‘ کسی خلیفۃ المسلمین کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتی۔ اس کے کٹہرۂ انصاف میں کسی نوع کی عدم یکسانیت نہیں ہے‘ برخلاف ازیں کامل اور اکمل یکسانیت ہے۔ اس کے قانون کی گرفت میں مکافاتِ عمل میں اس بحث کا کوئی مقام نہیں ہے کہ فلاں عام ہے اور فلاں خاص ہے‘ فلاں کا خون سفید ہے تو فلاں کا خون سرخ ہے۔ اس کے نزدیک شاہ سے لے کر گدا تک اور عامی سے لے کر خاص تک اور جاہل سے لے کر عالم تک سب کا خون سرخ ہے۔ ❁❁❁

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے دو فکر انگیز خطابات پر مشتمل کتابچہ

توبہ کی عظمت اور تاثیر

اور موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

اشاعتِ خاص: 65 روپے　　اشاعتِ عام: 35 روپے

اللہ کا مہینہ

عتیق الرحمٰن صدیقی

رمضان المبارک کی روح پرور ساعتوں میں خیر و برکت کا ایک خزینہ پنہاں ہے۔ اس کا ادراک انہی لوگوں کو ہوسکتا ہے جو اس کے سراغ کی جستجو میں غوطہ زن ہوتے ہیں' دن کو روزے سے ہوتے ہیں اور رات کو بارگاہِ ربّ العزت میں دست بستہ قیام کرتے اور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ان کی آہ سحر گاہی میں ایک طوفان چھپا ہوتا ہے' آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے اور پھر وہ سحر نمودار ہوتی ہے جس سے شبستانِ وجود لرز اٹھتا ہے۔ یہ عبادت تو ہے ہی' مگر ایسی عبادت جو سرتاپا ریاضت سے عبارت ہے۔ ایک ماہ کی مسلسل مشق ہے' اگر یہ بحسن و خوبی نقطۂ کمال تک پہنچ جائے تو اس سے ایک ایسا جوہر کشید ہوتا ہے جو تمام اعمال و افعال کو مصفّٰی و مزکّٰی بنا دیتا ہے۔ بندۂ مؤمن صرف اپنے پروردگار کی خوشنودی اور رضامندی کا طالب ہوتا ہے' سارے آستانوں سے کٹ کر ایک ہی آستانے کو اپنا مرجع و مرکز بنا لیتا ہے۔

روزے کی فرضیت کا جوہر

قرآن مجید میں روزے کی فرضیت کا مقصود یہی جوہر بتایا گیا ہے' فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''اے ایمان لانے والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو سکے۔''

حدیث میں روزہ کو گناہوں سے بچانے والی ڈھال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ڈھال تقویٰ کا متبادل لفظ ہے جو متعدد مفاسد سے تحفظ فراہم کرتا ہے' بندے کو محتاط طرزِ عمل اختیار کرنے کا عادی بناتا ہے۔ فرمایا:

((اَلصِّیَامُ جُنَّةٌ، فَاِذَا كَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا یَرْفُثْ یَوْمَئِذٍ وَلَا یَسْخَبْ، فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّی امْرُؤٌ صَائِمٌ)) (۱)

''روزہ (دنیا میں گناہوں سے اور آخرت میں دوزخ سے بچانے والی) ڈھال ہے۔ پس جب تم سے کسی کا روزہ ہو تو چاہیے کہ وہ نہ بے حیائی کی باتیں کرے اور نہ بدکلامی کرے۔ اور اگر کوئی اس سے گالی گلوچ کرے یا لڑنے جھگڑنے پر اتر آئے تو (اس سے بھی اور اپنے جی میں بھی) کہے کہ میں تو روزے سے ہوں۔''

گویا روزے کی حالت میں ایک بندۂ مسلم چوکنا اور محتاط رہے' زبان کی پھسلن سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ انسان اپنے آپ کو قابو میں رکھے' اپنے نفس کو من مانی سے روکے۔ تقویٰ کے جوہر کا اقتضاء یہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ۝﴾ (النازعات)

''رہا وہ شخص جس نے اپنے دل میں یہ ڈر رکھا کہ اُسے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور اپنے نفس کو خواہشوں کی پیروی سے روکا' تو یقیناً جنت ہی اُس کا ٹھکانا ہوگی۔''

روزہ کی ایک اہم خصوصیت

روزہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ریا کا عمل دخل نہیں۔ اس عبادت کی نوعیت سراسر منفی ہے' یہ کچھ کاموں کے نہ کرنے سے وجود میں آتی ہے۔ روزہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ریاکاری کا خطرناک شیطان اس پر شب خون نہیں مار سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ یُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : اِلَّا الصَّوْمَ ، فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ، یَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِیْ)) (۲)

''انسان کے ہر عمل خیر کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزہ اس قانون سے مستثنیٰ ہے' کیونکہ وہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا (جتنا چاہوں گا) بدلہ دوں گا۔ (آخر) انسان اپنی شہوتِ نفس اور اپنا کھانا پینا میری ہی خاطر تو روکے رہتا ہے۔''

اللہ کا مہینہ

اس مہینے کے فضائل و برکات بے شمار ہیں۔ قرآن حکیم نے اس کے شرف و منزلت کی تین وجوہ بیان کی ہیں۔ ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس بابرکت مہینے میں قرآن پاک نازل ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں ایک ایسی مبارک رات بھی ہے جو خیر و برکت میں ایک ہزار

مہینوں سے بہتر ہے۔ تیسری اہم وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر روزے فرض کیے۔ انہی فضائل کی بدولت اسے ''شہر اللہ'' یعنی اللہ کا مہینہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی فضیلت میں یہ بات کتنی جاندار ہے کہ اس میں اللہ ربّ العزت نے اپنی آخری کتاب کا نزول فرمایا جو سرچشمۂ ہدایت ہے۔ اگر یہ سرچشمہ نہ پھوٹتا تو کائنات اپنی تمام تر روشنی کے باوجود تیرہ وتار ہوتی' کفر والحاد میں لوگ بھٹک رہے ہوتے۔ یہ نہ صرف ہدایت ہے بلکہ اس میں ہدایت اور فرقان کی بینات بھی ہیں۔ یہ نہ صرف صراطِ مستقیم پر گامزن کرتی ہے بلکہ عقل کی رہنما بھی ہے۔ وہ عقل جو عیاری کے باعث سو بھیس بدلتی ہے اس کی رہنما بھی یہی کتاب مبین ہے۔ عقل یقیناً اللہ کی عظیم نعمت ہے' مگر عقل سے بھی بڑی نعمت قرآن ہے' اس لیے کہ عقل کو بھی حقیقی رہنمائی قرآن ہی سے میسر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس مہینے میں دنیا کو یہ نعمت ملی یہ اس کا استحقاق تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تکبیر اور شکرگزاری کے لیے اسے مختص کر دیا جائے۔

رمضان اور قرآن

قرآن پاک میں واضح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ یہ قرآن رمضان کے دوران لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ .....﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا.....''

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴ سَلٰمٌ ۛ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵﴾ (القدر)

''ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔ اور تم کیا جانو شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح الامین اپنے رب کے حکم سے ہر ایک کام کے انتظام کے لیے اُترتے ہیں۔ سلامتی ہی سلامتی' یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔''

اللہ تعالیٰ نے روزے جیسی علوشان سے مملو عبادت کے لیے ماہِ صیام کو مقرر فرمایا اور اس مہینے کے روزوں کو مسلمانوں پر فرض کر دیا' فرمایا:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''پس جو شخص بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس (پورے مہینے)

کے روزے رکھے۔''

اس ماہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیے جاتے ہیں' دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں' ان میں سے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں' ان میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں رہتا۔ اور اللہ کا منادی پکارتا ہے کہ اے بھلائی اور خیر کے طالب آگے بڑھ! اور اے برائی و بدعملی کے شائق رک جا! اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے نافرمان بندوں کو دوزخ سے رہائی بخشی جاتی ہے' اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے۔''(۳)

اس ماہِ مبارک کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

((وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهٗ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ)) (۴)

''یہ وہ مہینہ ہے جس کا ابتدائی حصہ رحمت ہے' درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش جہنم سے رہائی اور نجات ہے۔''

تاریخی اعتبار سے رمضان کی عظمت

تاریخی اعتبار سے بھی رمضان کی عظمت و اہمیت مسلّم ہے۔ تاریخ کے جھروکوں میں جھانک کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حق و باطل کا عظیم معرکہ ''غزوۂ بدر'' اسی ماہ میں برپا ہوا' قرآن نے جسے ''یوم الفرقان'' کا نام دیا۔ رمضان ہی میں مکہ فتح ہوا۔ گویا اسلام کو ابتدائی غلبہ بھی اس ماہ کے سعید لمحات میں حاصل ہوا اور مکمل غلبہ بھی اسی ماہ کے شرف کا حصہ ہے۔ اس مہینے کی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ قیامِ لیل اور تلاوتِ قرآن کا نظم اس ماہ میں قائم ہوا' تاکہ اہل ایمان میں جہاد کی روح تازہ رہے اور ان کے منصب و مقام کا شعور بھی ان میں پائندہ و تابندہ رہے تاکہ وہ دین کے غلبہ اور اس کی اقامت کے فریضہ سے کبھی غافل نہ ہونے پائیں۔

حقیقی روزہ

روزہ دار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس اہم فرض کو پورے احساس و شعور کے ساتھ ادا کرے' ہر لمحہ اور ہر ساعت اس کی پوری پوری حفاظت کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَیْسَ الصِّیَامُ عَنِ الطَّعَامِ وَالشُّرْبِ' اِنَّمَا الصِّیَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفْثِ)) (۵)

''روزہ صرف کھانے پینے کو ترک کر دینے ہی کا نام نہیں' بلکہ لغو' بے ہودہ بات اور جنسی تعلق سے بھی باز رہنے کا نام ہے۔''

مزید فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ)) (۶)

''جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے باز نہ رہا تو اللہ کو اُس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔''

رمضان اور گناہوں کی بخشش

ایمان اور اجر و ثواب کی اُمید کے ساتھ روزہ رکھا جائے اور قیام کیا جائے تو اللہ کے ہاں اجر اور مغفرت کی قوی اُمید رکھی جا سکتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ، وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ، وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) (۷)

''جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور اجر و ثواب کی اُمید کے ساتھ تو اس کے وہ سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے جو اس سے پہلے سرزد ہوئے ہوں گے' اور جس شخص نے رمضان میں قیام کیا (یعنی راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کی) ایمان اور اجر و ثواب کی اُمید کے ساتھ تو اس کے وہ قصور معاف کر دیے جائیں گے اس نے پہلے کیے ہوں گے' اور جس شخص نے لیلۃ القدر میں قیام کیا ایمان اور اجر و ثواب کی اُمید کے ساتھ تو اس کے وہ سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے جو اس نے پہلے کیے ہوں گے۔''

رمضان المبارک میں روزے رکھ لینا' تراویح پڑھ لینا اور لیلۃ القدر میں قیام کر لینا ہرگز یہ معنی نہیں رکھتا کہ پچھلا حساب صاف ہو گیا' اگلے گیارہ مہینے جو چاہو کرتے رہو' رشوتیں کھاؤ' لوگوں کے حق مارو اور جو ظلم و ستم چاہو کرو اور پھر رمضان کے آنے پر قیام کر کے اپنے گناہ بخشوانے کا اہتمام کر لو۔ دراصل اس حدیث میں مخاطب وہ صلحاء و ابرار ہیں جو اپنی زندگیاں ہر لحہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر بھی اگر ان سے کوئی لغزش' کوتاہی اور گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اللہ کے حضور نادم اور شرمندہ ہوتے ہیں اور ہر وقت توبہ کے لیے مستعد رہتے ہیں۔ رمضان میں صیام و قیام ان کے لیے کفارہ بن جاتا ہے اور وہ آئندہ کے لیے محتاط اور چوکنے ہو جاتے ہیں کہ ان سے ایسا کوئی قصور سرزد نہ ہو جو ربّ کریم کی ناراضگی کا باعث بن جائے۔

روزہ اور قرآن کی شفاعت

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُوْلُ الصِّيَامُ : اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ، وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ :مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ ، فَيُشَفَّعَانِ)) (۸)

''روزہ اور قرآن (قیامت کے روز) بندے کے حق میں شفاعت کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا: اے ربّ! میں نے اس شخص کو دن میں کھانے پینے اور خواہشاتِ نفس سے روکے رکھا' تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما! اور قرآن کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے اسے رات کے وقت سونے سے روکے رکھا' لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما! چنانچہ (روزہ اور قرآن) دونوں کی شفاعت بندے کے حق میں قبول کی جائے گی۔''

رمضان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقِ کریمانہ سے متّصف تھے۔ رحیم بھی تھے' شفیق بھی' طبیعت میں ملائمت بھی تھی اور حلاوت بھی' عطاء و بخشش میں بھی اپنی مثال آپ تھے' مگر رمضان المبارک میں یہ خصائص اپنی عظیم شان کے ساتھ عام دنوں کے مقابلے میں اجاگر ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ گہرائی سے متوجہ ہو جاتے تھے' آپؐ کی نیکیاں عام دنوں کی نسبت بڑھ جاتی تھیں اور فیاضی میں بے حد اضافہ ہو جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ اَطْلَقَ كُلَّ اَسِيْرٍ وَاَعْطٰى كُلَّ سَائِلٍ (۹)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب رمضان آتا تھا تو آپ ہر اسیر کو رہا کر دیتے تھے اور ہر سائل کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے تھے۔''

روزہ اور توازن و اعتدال

روزہ کی عبادت صبر آزما' دقت طلب اور دشوار آسا ہوتی ہے۔ گاہے صبر و ضبط کے بندھن ٹوٹنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ توسط کی چولیں ڈھیلی پڑ جانے کا امکان ہوتا ہے۔ بے اعتدالی اور غلو سے روزے کا حسن ماند پڑ جانے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بندۂ مؤمن تمام تر صورتحال پر کڑی نگاہ رکھتا ہے تاکہ بندگیٔ رب اور تعلق باللہ میں کوئی اختلال اور دراڑ پیدا نہ ہونے

پائے۔ وہ نبی مکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو ہر لحظہ پیش نظر رکھتا ہے جو آپؐ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا۔ آپؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے استفسار فرمایا:

((يَا عَبْدَاللّٰهِ أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ؟)) قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((فَلَا تَفْعَلْ، صُمْ وَافْطِرْ وَنَمْ وَقُمْ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ بِحَسْبِكَ أَنْ تَصُوْمَ كُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ)) (۱۰)

''اے عبداللہ! کیا یہ بات جو مجھے بتائی گئی ہے صحیح ہے کہ تم ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نفل پڑھتے ہو؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں حضور یہ بات صحیح ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم ایسا نہ کرو، کبھی روزہ رکھو اور کبھی کھاؤ پیو، اسی طرح سوؤ بھی اور تہجد بھی پڑھو، کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں، مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے۔ اور تم ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھ لیا کرو، بس اتنا تم کو کافی ہے۔''

واضح رہے کہ نبی مکرم ﷺ کا یہ ارشاد نفلی روزوں کے بارے میں ہے کہ ان کے معاملے میں توسط اور اعتدال ضروری ہے۔ ورنہ رمضان المبارک کے روزے تو پورا مہینہ لگاتار ہی رکھنے ضروری ہیں۔

دُنیا اور عقبیٰ کی فلاح کا ذریعہ

روزہ دنیوی فلاح کا ذریعہ بھی ہے اور اخروی فلاح کا بھی۔ جہاں دنیا کی زندگی میں اس سے روحانی، جسمانی اور طبی فوائد حاصل ہوتے ہیں وہیں آخرت کی زندگی میں بندۂ مؤمن فلاح و بخشش کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، جن میں ایک کا نام باب الریان ہے، اس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔ (۱۱)

روزے کا ایک عظیم اجر یہ ہے کہ روزہ دار کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی۔ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی اسے افطار کے وقت ہوتی ہے اور ایک خوشی اسے اس وقت ہوگی جب اپنے رب سے ملاقات کرے گا:

((لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ بِفِطْرِهِ وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ)) (۱۲)

''روزے دار کے لیے خوشی کے دو مواقع ہیں جو اُسے خوش کرتے ہیں: (۱) جب وہ افطار کرتا ہے تو اپنی افطاری سے خوش ہوتا ہے (۲) جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا تب اپنے روزے پر خوش ہوگا۔''

آخر میں ہم ''اسلام کا نظامِ حیات'' سے ایک اقتباس نقل کر کے اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں:

''رمضان المبارک بیکراں رحمت کے ظہور، گناہوں کی گرد دھلنے کا نام، گناہوں کے صحرائے اعظم میں موسلا دھار بارش، گناہوں کی جلتی دھوپ میں مغفرتِ الٰہی کا سائبان، جلتے ٹیلوں اور تپتے دشت میں موسم گل، بوند بوند کو ترستی مٹی پر ساون اور مغفرتِ باری کے جوش مارتے سمندر کا نام ہے۔ رمضان المبارک کے روزے فلاحِ دارین کا ذریعہ ہیں:

زندگی کی دھوپ میں سب سے گھنا سایہ تو ہی
اس زمین پر موتیوں والا سخی دریا تو ہی
جس کی آہٹ پر رواں صدیوں کی اجلی ساعتیں
رنگ اور خوشبو کی وہ موجِ سفر پیا تو ہی

(اسلام کا نظامِ حیات، مصنف: ڈاکٹر لیاقت نیازی)

حواشی

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام۔
(۲) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام۔
(۳) سنن الترمذی، ابواب الصوم، باب ما جاء فی فضل شهر رمضان۔
(٤) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔
(٥) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔
(٦) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور والعمل به فی الصوم۔
(۷) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من صام رمضان ایمانا واحتسابا ونیة۔ وصحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب فی قیام رمضان وهو التراویح۔
(۸) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔ ومسند احمد، ح ٦٣٣٧۔
(۹) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔
(۱۰) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم۔
(۱۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الریان للصائمین۔ وصحیح مسلم، کتاب الصیام۔
(۱۲) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام۔

روزہ اور قربِ الٰہی

راحیل گوہر

علامہ اقبالؒ نے اپنے ایک لیکچر میں مذہبی زندگی کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے: ایمان' افکار اور اکتشاف۔ ان کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں کہ ''ایمان مسجود اور ساجد کے درمیان رشتے کا تعین کرتا ہے' افکار کے سہارے انسان تصورِ کائنات اور تصورِ خالق کائنات کے مابین تعلق استوار کر کے اس میں اپنے مقام کی جستجو کرتا ہے' اکتشاف کے ذریعہ سے حقیقتِ مطلق سے اپنا رشتہ و تعلق جوڑنے کی سعی و جُہد میں سرگرداں رہتا ہے''—— علامہ کے بیان کیے ہوئے ان مراحل سے گزرنے اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کا سب سے بہترین راستہ ''ایمان'' ہے۔ ایمان پورے شعور و ادراک کے ساتھ انسان کے قلب و ذہن میں راسخ ہو تو اس کے ہر عمل میں تقویٰ کی روح سرایت کر جاتی ہے۔ تقویٰ کا شعوری احساس ہی انسان کی راہ میں حائل ہونے والے زیغ و ضلال کی آلودگیوں سے اسے محفوظ و مأمون رکھتا ہے۔

حیاتِ دُنیوی کے تمام شعبہ ہائے عبادات و معاملات میں ہر لحظہ یہ تصور قلب و ذہن میں مستحضر رہے کہ وہ علیم و خبیر ذات مجھے دیکھ رہی ہے۔ اگر انسان زمین کی پہنائیوں میں چھپ کر بھی کوئی برا عمل کرے گا تو اللہ وہاں بھی دیکھ لے گا' کیونکہ وہ انتہائی قوت والا اور باریک بین ہے۔ وہ اس کائنات کے سب اسرار و رموز کو خوب جانتا ہے۔ یہ حقیقت جب انسان کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو جائے تو اسی احساس کا نام تقویٰ ہے۔ اور جو تقویٰ کی روش اختیار کرتا ہے' اس خوش نصیب کے لیے اُس کے رب کی طرف سے بے شمار انعامات کا وعدہ ہے۔ چنانچہ خالقِ کائنات نے اپنے بندوں پر جہاں بے حد و شمار احسانات فرمائے ہیں' وہیں ایک عظیم احسان یہ بھی فرمایا کہ اپنی مخلوق پر سال میں ایک ایسا مبارک اور بے انتہا برکتوں اور رحمتوں والا مہینہ سایہ فگن فرما دیا جس کی ہر ساعت اور ہر لحہ کو حصولِ تقویٰ کے لیے آسان کر دیا گیا ہے۔ اس ماہ میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کی موسلا دھار برسات ہوتی رہتی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' تم پر روزے رکھنا فرض کر دیا گیا ہے' جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا' شاید کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔''

قرآن حکیم کا یہ اسلوب ہے کہ اکثر وہ حکم کی علت و حکمت بھی بیان کر دیتا ہے۔ جس طرح سورۂ طٰہٰ میں نماز قائم کرنے کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ اللہ کے ذکر کے لیے ہے' زکوٰۃ ادا کرنے کی حکمت مال کی صفائی اور طہارت ہے' اسی طرح روزہ کی حکمت یہ بیان ہوئی کہ انسان کے لیے تقویٰ کے حصول میں آسانی پیدا ہو جائے۔ تقویٰ کی روش اختیار کرنے میں منہیات کے اجتناب' نفسانی خواہشات کے منہ زور گھوڑے پر قابو پانا' اوامر کے التزام اور نواہی سے حتی الامکان بچنے کی سعی و جہد کرنا اور خیر مطلق کے حصول کا شعوری ادراک اور اس کا عملی مظاہرہ تقویٰ کا اہم تقاضا ہے۔ اور اس کو اپنی زندگی کے ہر عمل میں شامل کر لینے میں انسان کے لیے خیر کثیر موجود ہوتا ہے۔ ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ..... وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝﴾ (الطلاق)

''اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کے لیے کوئی راہ پیدا کر دے گا' اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں اسے وہم و گمان بھی نہ ہو..... اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے اس کے کام میں آسانی پیدا کر دیتا ہے' یہ اللہ کا حکم ہے جو اُس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے۔ اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے گناہ مٹا دے گا اور اسے بڑا بھاری اجر دے گا۔''

اور اس راہ کے مسافر کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مزید انعامات کا بھی وعدہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ

الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ (صٓ)

''اور یقیناً متقی لوگوں کے لیے بہترین ٹھکانا ہے۔ ہمیشہ رہنے والی جنتیں' جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔ ان میں وہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے' خوب خوب پھل اور مشروبات طلب کر رہے ہوں گے۔ اور ان کے پاس شرمیلی اور ہم عمر بیویاں ہوں گی۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں حساب کے دن عطا کرنے کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔''

رمضان المبارک کے بارے میں رسول مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهٗ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ)) (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

''یہ وہ مہینہ ہے جس کا ابتدائی حصہ رحمت ہے' درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ دوزخ سے نجات ہے۔''

رسول مکرم ﷺ ہمیں یہ مژدہ سنا رہے ہیں کہ ماہِ صیام کے آغاز ہی سے انسانوں پر اللہ کی رحمتوں کا نزول شروع ہو جاتا ہے اور جب اس ماہ مبارک کی مقدس و بابرکت اور انعامات سے لبریز ساعتیں سمٹ رہی ہوتی ہیں تو ایمان اور احتساب کے ساتھ گزارے ہوئے دن کے روزوں اور قرآن کے سننے سنانے میں بسر کی ہوئی راتیں' انسان کے کیے ہوئے تمام گناہوں کی بساط لپیٹ چکی ہوتی ہیں۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو اپنی ذات میں ایک ایسا عجیب احساس لیے ہوتا ہے کہ انسان خلوت میں بھی کسی قسم کی خیانت نہیں کرتا اور خورد و نوش کی تمام اشیاء اور تمام جائز مرغوباتِ نفس کے سہل الحصول ہونے کے باوجود ان کے استعمال سے اس طرح اجتناب برتتا ہے گویا اللہ سامنے ہی موجود ہے۔ اسی للّٰہیت کے پیش نظر حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا: ''روزہ آدھی طریقت ہے''۔ کیونکہ روزہ میں ریا اور نمائش کو دخل نہیں ہے۔ اخلاص کے بغیر آدمی روزہ رکھ ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ روزہ کا یہی مؤثر پہلو ہے جس نے اسے ایک ایسی عبادت بنا دیا ہے کہ جس کے بارے میں خود خالقِ جن و انس نے فرما دیا:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّيَامَ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ)) (متفق عليه)

''آدم زاد کا ہر عمل اُسی کے لیے ہے سوائے روزے کے' کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔''

یہ واحد عبادت ہے کہ اس کی جزا کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک سے منسوب کیا ہے اور

انسان کے لیے یہ انتہائی شرف و کرامت اور بہت بڑے اعزاز و توقیر کا مقام ہے۔

اسی رمضان المبارک کے مہینہ میں خالق کون و مکاں کی جانب سے اس عظیم الشان رات کا بھی نزول ہوا ہے جس نے اس ارضِ خاک کی قسمت میں چار چاند لگا دیے۔ یہ وہ رات ہے جو ایک ہزار مہینوں (تراسی سال) سے افضل اور فیوض و برکات سے مزین ہے' جس کو لیلۃ القدر اور لیلۂ مبارکہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾﴾ (القدر)

''ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ روح (جبریل امین) اور فرشتے اس رات اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر نازل ہوتے ہیں۔ (وہ رات) سراسر سلامتی ہے' طلوعِ فجر تک۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرے بیش بہا انعام و اکرام کے ساتھ اپنے دامن میں قرآن حکیم جیسی انمول کتاب لائی جس میں نسل انسانی کے لیے کامل ہدایت نامہ ہے۔ دنیا و آخرت میں فوز و فلاح سے ہمکنار کر کے اور تمام خباثتوں اور آلودگیوں سے منزّہ کر کے ایک دل آویز انسان بنانے کے لیے یہ نسخہ کیمیا ہے۔ اس حقیقت کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

﴿حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۵﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶﴾﴾ (الدخان)

''ح' م۔ اس واضح کتاب کی قسم' کہ ہم نے اسے ایک خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے کیونکہ ہمیں بلاشبہ خبردار کرنا مقصود تھا۔ اس رات میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ ہمارا ہی حکم ہوتا ہے اور ہم ہی رسول بھیجنے والے ہیں۔ یہ آپ کے رب کی رحمت ہے' بلاشبہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

اس رات کی عظمت و بزرگی بیان کرتے ہوئے رسول معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) (متفق علیہ)

''جس کسی نے شب قدر میں ایمان کی حالت میں اور اجر وثواب کی نیت سے عبادت اور قیام لیل کیا تو اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیے گئے۔''

انسان روح اور بدن کا مرکب ہے اور ان دونوں عناصر کا بناؤ بگاڑ اس کے اپنے طرز عمل پر منحصر ہوتا ہے۔ روح امر رب ہے جبکہ انسانی بدن کو خَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی نے ناپاک پانی کے ایک حقیر قطرے سے تخلیق کیا ہے اور پھر اسی خاکی وجود میں اللہ نے روح کی آمیزش کرتے ہوئے فرشتوں سے ارشاد فرمایا:

﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ۝۲۹﴾ (الحجر)

'' پس جب میں اسے درست کر چکوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔''

فرشتوں کا یہ سجدہ انسان کے خاکی وجود کو نہیں بلکہ اس روح کے سبب تھا جس نے اس کے بدن میں اتر کر انسان کو اشرف المخلوقات کا بلند و بالا مقام عطا کیا تھا۔ اب انسان اگر اپنے اس خاکی اور کثافت زدہ قطرۂ حقیر ہی کی سیوا کرتا رہے تو روح کی شفافیت پر ایک غبار سا آجاتا ہے اور آئینہ روح دھندلانے لگتا ہے' کیونکہ جس طرح انسان اپنے مادی تن وتوش کو توانا اور صحت مند رکھنے کے لیے غذا کا سہارا لیتا ہے اور اس کے حصول کے لیے شب و روز سعی و جہد کرتا رہتا ہے اسی طرح روح کی بقاء وسلامتی کے لیے بھی بھرپور غذا کی فراہمی ناگزیر ہے اور اس غذا کا مرکز ومنبع صرف ذکر الٰہی ہے۔ بفحوائے قرآنی:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۝۲۸﴾ (الرعد)

''آگاہ ہو جاؤ کہ دلوں کو سکون اور قرار صرف اللہ کی یاد ہی میں ملتا ہے۔''

خالق حقیقی کا تصور ذہن میں دھندلا ہو جائے تو روح بے چین رہتی ہے اور دنیا کی ہر لذت اور چاشنی زبان پر کڑواہٹ گھولتی رہتی ہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''کشف المحجوب'' میں لکھا ہے:

''آدمی کے نیک اور بد اور خداوند تعالیٰ کے فرمانبردار اور نافرمان ہونے کا سارا انحصار انسان کو ودیعت کیے ہوئے پانچ حواسِ خمسہ کے استعمال پر ہے۔ ایک طرف علم اور عقل اور روح کو اور دوسری طرف نفس اور ھواء کو ان آلات پر یکساں تصرف کا اختیار اور موقع حاصل ہے۔ اب یہ آدمی کے اپنے ارادہ پر منحصر ہے کہ وہ ان آلات کو اپنے قابو میں

رکھنے اور علم وعقل اور روح کے تصرف میں دینے کی کوشش کرتا ہے یا انہیں نفس اور ھواء کے ہاتھ میں چھوڑ دیتا ہے۔ اور ان کو قابو رکھنے کے لیے روزہ سے بڑھ کر مؤثر ذریعہ کوئی نہیں ہے۔''

بظاہر روزہ ایک ایسا عمل ہے جس میں آدمی کھانے پینے اور بعض دوسرے فطری تقاضوں کو پورا کرنے سے پورا دن اپنے آپ کو روکے رکھتا ہے' جن پر عام حالات اور مہینوں میں کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ لیکن غور طلب پہلو یہ ہے کہ آخر اس عمل کی ایسی کیا افادیت ہے جس کی وجہ سے نہ صرف امت مسلمہ پر بلکہ ہم سے پہلے گزرنے والی تمام امتوں پر بھی اس عبادت کو فرض کر دیا گیا تھا! سوچنے کا مقام ہے کہ آخر ہمارے بھوکے پیاسے رہنے سے اللہ تعالیٰ کو کیا دلچسپی ہے؟ جائز اور فطری تقاضوں پر پابندی لگا کر وہ ہمیں کس مقصد کی بجا آوری کے لیے مستعد کرنا چاہتا ہے' اور اس عمل میں ہمارے کون سے فوائد پوشیدہ ہیں؟ اس کا واضح جواب وہی ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۳ میں بتا دیا گیا ہے' یعنی صرف اور صرف تقویٰ کی جڑیں انسان کے فکر وعمل میں مضبوط ہو جائیں۔ یہ زندگی جانوروں کی مانند بے سمجھے بوجھے نہیں' بلکہ عقل وشعور کی نعمت سے بہرہ مند مخلوق کی حیثیت سے اور پورے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ بسر کرنے کے لیے عطا کی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اہل تقویٰ کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ دنیا میں اندھوں اور بہروں کی طرح زندگی نہیں گزارتے بلکہ ہر لحہ اپنے عقل وشعور کا استعمال کرتے ہیں' اس وسیع وعریض کائنات میں جا بجا بکھری ہوئیں اللہ کی نشانیوں پر غور وتدبر کرتے رہتے ہیں' اور یہ غور وفکر انہیں اس کائناتِ رنگ وبو میں اپنی حیثیت اور اپنے اصل مقام کا عرفان بھی عطا کرتا ہے۔ ربّ کائنات کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ۝۱۹۰ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝۱۹۱﴾ (آل عمران)

''زمین اور آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری آنے میں' ان ہوش مند لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں' جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی ساخت میں غور وفکر کرتے ہیں (اور بے اختیار پکار اٹھتے ہیں)

پروردگار! یہ سب تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا۔ تو پاک ہے (اس سے کہ عبث کام کرے۔) پس اے ہمارے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔''

اسی طرح روزہ انسان کی سیرت و کردار میں تقویٰ کی آبیاری کا بہترین ذریعہ بھی بنتا ہے' لیکن اس روزہ کو محض دکھاوے اور رسم و رواج کے طور پر نہ رکھا جائے۔

یہ بھی ایک مقامِ فکر ہے کہ روزوں کے لیے ماہ رمضان ہی کا انتخاب کیوں کیا گیا' اس کی کیا حکمت و مصلحت ہے؟ تو اس گتھی کو بھی سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۵ میں سلجھا دیا گیا۔ ربّ کائنات نے فرمایا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ﴾

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور یہ ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں' لہٰذا اب تم میں سے جو شخص بھی اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ اس (پورے مہینے) کے روزے رکھے۔''

اس آیت میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ روزوں کے لیے رمضان کے مہینے کا انتخاب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یہ نزولِ قرآن کا عظیم الشان مہینہ ہے۔ اور اس مقدس و مبارک مہینے میں روزوں کی فرضیت کا ایک اہم مقصد اور اس کی غرض و غایت امت مسلمہ کے اندر روحانی پاکیزگی' ترفع اور کردار و عمل کی فکری بلندی پیدا کرنا ہے۔ روزے جیسی عبادت سے گزر کر بھی اگر انسان کی روح شاد کام نہ ہوئی تو یہ روزہ نہ ہوا بلکہ اس کی کیفیت وہی ہوگی جس کا نقشہ رسول کریم ﷺ کے اس فرمان مبارک میں کھینچا گیا ہے:

((كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ اِلَّا الظَّمْاُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ اِلَّا السَّهَرُ)) (رواه الدارمی)

''کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں روزے سے بھوک پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی راتوں کو قیام کرنے والے ایسے ہیں جن کے پلے اس مشقت سے رت جگے کے سوا کچھ نہیں پڑتا۔''

ایک اور حدیث مبارکہ کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ يَّدَعَ

طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ)) (رواه البخاری و ابوداؤد والترمذی)

''جس شخص نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے۔''

حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا کی زندگی کا راستہ خواہشات و ترغیبات اور نفس کو مرغوب و مائل کرنے والی خاردار جھاڑیوں سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس راستے پر اپنے دامن کردار و عمل کو بچاتے ہوئے منزلیں طے کرنا اور اپنے خالق و مالک حقیقی کی نافرمانیوں اطاعت کی روگردانی کی زہر آلود جھاڑیوں میں نہ الجھنا ہی تقویٰ کہلاتا ہے۔ اور یہی روزے کا اصل حاصل ہے۔

انسان جب مادیت کی سطح سے بلند ہو کر اپنی عبادتوں' ریاضتوں اور اپنے معاملات میں تقویٰ کی روش اختیار کرتا ہے تو اس کے وجود میں روحانیت بیدار ہونے لگتی ہے' دُنیوی لذتیں اور طاؤس و رباب کی حلاوتیں نیم جان ہو جاتی ہیں اور اس کی بے چین و بے قرار روح کو آسودگی اور ایک احساسِ طمانیت حاصل ہوتا ہے — اور یہ وہ زادِ راہ ہے جو اس بھٹکے ہوئے انسان کو اپنے رب اور اپنے تخلیق کار کے بتدریج قریب کرتا جاتا ہے۔ تقویٰ ہی وہ قصد السبیل ہے جو اسے تقربِ الٰہی تک پہنچا دیتی ہے۔ روزہ میں تقویٰ کی روح اپنے پورے تقاضوں کے ساتھ کارفرما ہوتی ہے اور اس عبادت کو نیک نیتی' اخلاص اور خود احتسابی کے عمل کے ساتھ پورا کرنے پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا حقیقی قرب حاصل ہو جاتا ہے' اور یہی انسان کی قدر و منزلت کی معراج ہے۔ ❁❁

پاکستان میں اس کے قیام سے اب تک
احیائے اسلام کی کوششوں کا جائزہ

تحریک اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام مذاکرہ میں

امیر تنظیم اسلامی **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ

کا فکر انگیز خطاب

ان شاء اللہ العزیز -- آئندہ شمارے میں شائع کیا جائے گا

انسانی زندگی کا فکری و شعوری ارتقاء

پروفیسر عبدالعظیم جانباز

اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ نظامِ ربوبیت نے انسان کو اپنے گردوپیش اور ماحول سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے مختلف ذرائع علم وہدایت سے نوازا ہے۔ اسے سوچنے کے لیے طاقتور دماغ، دیکھنے کے لیے صاف شفاف آنکھیں، سننے کے لیے حساس کان، چکھنے کے لیے زبان، سونگھنے کے لیے ناک، چھونے کے لیے ہاتھ اور احساسِ لمس کے لیے اَعصاب بخشے گئے ہیں۔ ان ذرائع علم کو عقل اور حواس کہا جاتا ہے۔ یہ اُس ذاتِ برحق کی عنایت ہے کہ اُس نے ان ذرائع کو بالعموم ہر انسان کے لیے کھلا رکھا ہے، انہیں محدود اور مسدود نہیں فرمایا۔

انسان کو ذرائع علم عطا کیے جانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ بھرپور طریقے سے کائنات میں زندگی بسر کرسکے، مخلوقات اور اُن کے خواص واَوصاف کو جانے، ان کی حقیقتوں کا ادراک کرے اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے مختلف زاویوں سے غوروفکر کرسکے۔ اس مقصد کے لیے بلاتمیز رنگ ونسل، انسان کو جو ذرائع عطا کیے گئے ہیں انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) حواسِ خمسہ ظاہری (۲) حواسِ خمسہ باطنی (۳) لطائفِ خمسہ قلبی:

(۱) حواسِ خمسہ ظاہری

حواس کی پہلی قسم حواسِ خمسہ ظاہری کہلاتی ہے، جن کی تعداد پانچ ہے اور یہ عمر کے ساتھ ساتھ تکمیلی مراحل طے کرتے چلے جاتے ہیں:

(۱) حِسِّ لامسہ (چھونے کی قوت) (۲) حِسِّ باصرہ (دیکھنے کی قوت)
(۳) حِسِّ سامعہ (سننے کی قوت) (۴) حِسِّ ذائقہ (چکھنے کی قوت)
(۵) حِسِّ شامہ (سونگھنے کی قوت)

یہ وہ پانچ ذرائع علم ہیں جن کی بدولت انسان اپنے گردوپیش اور ماحول سے اپنا ادراکی تعلق قائم کرتا ہے، مگر یہ حواس صرف ظاہری دنیا (Physical world) کی حقیقتوں کو جاننے اور

ان کا ادراک کرنے تک محدود رہتے ہیں۔ یہ حواس انسانی ذہن کو فقط ظاہری خام مواد مہیا کرنے پر مامور ہیں۔ 'قوتِ لامسہ' کا کام کسی چیز کو چھو کر یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ چیز کیسی ہے؟ نرم وگداز ہے یا سخت اور کھردری ہے۔ لیکن اگر کوئی چیز غیر مادّی جسم رکھتی ہے تو ہاتھ کوشش کے باوجود اس کے وجود کا سراغ نہیں لگا سکتے۔ اسی طرح 'قوتِ باصرہ' کا کام مرئی اشیاء کو دیکھنا اور ان کے وجود کا سراغ لگانا ہے، لیکن آنکھ اسی وقت کسی جسم کا سراغ لگا سکتی ہے جب کوئی چیز دیکھے جانے کے قابل ہو۔ اگر کوئی چیز غیر مرئی ہے تو اسے 'قوت باصرہ' معلوم نہیں کرسکتی۔ علیٰ ہذا القیاس 'قوتِ سامعہ' کا کام آواز کا پتا لگانا ہے۔ خوشبو یا بدبو کو 'قوتِ شامہ' کے ذریعے جانا جاتا ہے۔ مٹھاس یا کڑواہٹ کا احساس 'قوتِ ذائقہ' کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

حواسِ خمسہ ایک دوسرے کا بدل ہیں: آنکھ کے دائرۂ بصارت میں آنے والی کوئی چیز کسی اور حس کے ذریعے نہیں دیکھی جاسکتی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کی قوتِ سامعہ مفقود ہوجائے تو وہ بقیہ چاروں حواس کو آزمانے کے باوجود آواز کا سراغ لگانے سے قاصر رہتا ہے۔ اگر زبان ذائقے کا پتا نہ چلا سکے تو آنکھ، ناک، کان اور ہاتھ پاؤں سلامت ہونے کے باوجود انسان مختلف ذائقوں میں تمیز نہیں کرسکتا۔ روزمرہ زندگی میں عام مشاہدے میں آنے والی یہ حقیقت ہمیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ حواسِ خمسہ ایک دوسرے کا بدل نہیں بن سکتے۔

حواسِ ظاہری کا محدود دائرۂ کار: اب ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہر حس کا ایک مخصوص دائرہ اور حلقہ ہوتا ہے۔ جو اشیاء حواسِ ظاہری کے ذریعے معلوم کی جاتی ہیں انہیں 'اِدراکِ حسی' کہتے ہیں۔ جو شے جس حاسے کے دائرہ کار میں آتی ہے اسے ہمیشہ اسی حاسے کی مدد سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اگر اس حاسے کے بجائے اس پر دوسرے حواس آزمائے جائیں تو لاکھ کوشش کے باوجود اس چیز کی صحیح ماہیت اور ہیئت کا اِدراک ناممکن ہوتا ہے۔

آواز کو کان کے ذریعے معلوم کیا جائے تو وہ سمجھ میں آسکتی ہے، رنگوں کو آنکھوں کے ترازو میں تولا جائے تو ان میں امتیاز کیا جاسکتا ہے، خوشبو کو قوتِ شامہ کے ذریعے معلوم کیا جائے تو وہ انسانی اِدراک میں سما سکتی ہے، لیکن مذکورہ بالا حواس کے علاوہ اُسی چیز کو کسی دوسرے حاسے کی مدد سے جاننے کی کوشش بے کار ثابت ہوگی۔ طے پایا کہ اگر کوئی وجود دنیا میں موجود ہے مگر اسے معلوم کرنے والی خاص حس موجود نہیں تو پھر باقی سارے حواس آزمانے کے باوجود اس وجود کا سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔

ایک لطیف تمثیل: مولانا رومؒ نے اس بات کو ذہن نشین کرانے کے لیے بڑی عمدہ مثال پیش کی ہے' فرماتے ہیں کہ کسی جگہ پانچ اندھے تھے' انہوں نے ساری زندگی ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ ہاتھی کو ان کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا گیا اور ہر ایک سے کہا گیا کہ باری باری ہاتھ سے چھو کر بتاؤ کہ ہاتھی مجموعی طور پر کیسا ہوتا ہے؟ ہر ایک نے اپنے ہاتھوں کی مدد سے اس ہاتھی کو جاننے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس کوشش کے نتیجے میں ایک نابینا کا ہاتھ ہاتھی کے پیٹ پر پڑا' اس نے کہا ہاتھی تو دیوار کی طرح ہوتا ہے۔ ایک نابینا نے اپنا ہاتھ ہاتھی کی ٹانگوں پر رکھا تو اس نے خیال کیا کہ ہاتھی تو ستونوں کی طرح ہوتا ہے۔ ایک نے ہاتھی کے کان کو ٹٹولا تو اس نے گمان کیا کہ ہاتھی تو پنکھے کی طرح ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک نے سُونڈ پر ہاتھ لگایا تو اس نے کہا کہ ہاتھی تو رَسّے کی مانند ہوتا ہے۔

الغرض پانچوں نابینا اپنے تمام تر حواس آزمانے کے باوجود اِتنے بڑے وجود (ہاتھی) کے صحیح اِدراک سے قاصر رہے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ جس حاسّے کی مدد سے اس وجود کو جانا جا سکتا تھا' یہ لوگ اس سے محروم تھے اور اس کی عدم موجودگی میں دوسرے تمام حواس آزمانے کے باوجود انہیں ہاتھی کی شکل وصورت معلوم نہ ہو سکی۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ:

اوّلاً: حواسِ خمسہ ظاہری صرف طبیعی دنیا (Physical world) کی اشیاء کا اِدراک کر سکتے ہیں' جس میں مادہ اور توانائی دونوں شامل ہیں۔

ثانیاً: ہر حس کا ایک مخصوص دائرہ کار ہے' جو چیز اس دائرے میں آجائے وہ حس فقط اسی کو محسوس کر سکتی ہے' لیکن جو چیز اس حس کے دائرے سے باہر ہو اس شے کا صحیح اِدراک باقی تمام حواس مل کر بھی نہیں کر سکتے۔

حواسِ خمسہ ظاہری کی بے بسی: ایک اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ اگر حواس درست اور سلامت ہوں لیکن انہیں عقل کی سرپرستی حاصل نہ ہو تو یہ پانچوں حواس کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک محسوس کرنے کے باوجود انسان کو کسی خاص نتیجے تک نہیں پہنچا سکتے۔ ان سے حاصل شدہ مواد کو خام مال (raw material) یا اِدراک (perception) تو کہہ سکتے ہیں' علم (knowledge) ہرگز نہیں قرار دے سکتے۔ یہ ادراک اور احساس اس وقت علم کا روپ اختیار کرتا ہے جب آنکھوں کی بصارت' کانوں کی سماعت' ہاتھوں کے لمس اور زبان کے ذائقے کا تاثر عقل پر

وارِد ہو اور عقل اس اِدراک کو منظّم کرتے ہوئے اس سے صحیح نتائج اخذ کر کے انسانی جستجو کو خاص نہج عطا کر دے۔

اِنسانی جسم کے جس حصے میں یہ عمل تکمیل پذیر ہوتا ہے اسے دماغ (brain) کہتے ہیں۔ اللہ ربّ العزت نے بذاتِ خود عقل کو ایک بہت بڑا کارخانہ (factory) بنا دیا ہے۔ جس طرح حواسِ ظاہری کے پانچ الگ الگ حصے ہیں' اسی طرح عقل کے بھی پانچ الگ الگ گوشے ہیں۔ عقل کے یہ تمام حصے نہایت نظم وضبط اور باہمی افہام وتفہیم سے کام کرتے ہیں۔ حواسِ ظاہری جو کچھ محسوس کرتے ہیں اس کے تاثرات جوں کے توں دِماغ تک پہنچا دیتے ہیں' عقل اپنے پانچوں شعبوں کی مدد سے اُن تاثرات سے صحیح نتیجہ اخذ کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ کان نے کیا سنا' ہاتھوں نے کیا چھوا' زبان نے کون سا ذائقہ چکھا اور آنکھ نے کیا دیکھا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن حواس کا کام دِماغ کے لیے معلومات کا خام مواد تیار کرنا ہے' اُن محسوسات کو سمجھنا نہیں۔ کان بذاتِ خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ سنے ہوئے الفاظ کا مطلب کیا ہے' آنکھ بذاتِ خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ سرخ اور سبز رنگ میں کیا فرق ہے' ہاتھ اور زبان خود یہ نہیں بتا سکتے کہ فلاں چیز نرم ہے یا سخت' میٹھی ہے یا کڑوی۔ آخری فیصلہ عقل انسانی صادِر کرتی ہے' حواسِ خمسہ نہیں۔ گویا علم کی آخری صورت گری عقل سے ہوتی ہے حواسِ خمسہ ظاہری سے نہیں۔

حواسِ خمسہ ظاہری کا دائرہ کار جہاں مادی اور طبیعی دنیا (Physical world) تک محدود ہے اور غیر مادی اشیاء کا اِدراک حواسِ ظاہری کے ذریعے ناممکن ہے' وہاں یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ انسانی حواس کی معلوم کردہ اشیاء کو اگر عقل انسانی منظّم اور مربوط نہ کرے تو حواسِ خمسہ کے کسی قسم کے تاثرات علم کا روپ نہیں دھار سکتے۔

(۲) حواسِ خمسہ باطنی

جس طرح محسوساتِ ظاہری کے لیے قدرت نے پانچ حواس (five senses) تخلیق فرمائے ہیں' اسی طرح عقل انسانی میں بھی پانچ مدرِکات پیدا کیے گئے ہیں' جنہیں حواسِ خمسہ باطنی کہا جاتا ہے' ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) حس مشترک (۲) حس واہمہ (۳) حس متصرفہ (۴) حس خیال (۵) حس حافظہ

۱۔ حس مشترک: اِنسانی عقل کا یہ گوشہ حواسِ ظاہری کے تاثرات کو وصول کرتا ہے' حواس کے اوّلین تاثرات اِس حصہ عقل میں پہنچ کر جذب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جب ہم اپنی آنکھ سے کسی چیز

کو دیکھتے ہیں تو انسانی عقل کے اس حصے پر اس کی تصویر مرتسم ہو جاتی ہے' اسی لیے اِسے 'لوحُ النفس' بھی کہتے ہیں۔

۲۔حسِ خیال: حسِ خیال کا کام یہ ہے کہ وہ حسِ مشترک میں پہنچنے والی مُدرِکات اور محسوسات کی تصاویر اور شکلوں کی ظاہری صورت کو اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے۔ مثلاً جب ہم لفظ ''میں'' بولتے ہیں تو اس لفظ کی ظاہری صورت یعنی 'میم' ''ی' اور 'نون غنہ' ہے۔ چنانچہ اس کے ظاہر کا یہ تاثر حسِ مشترک پر منعکس ہوتا ہے اور یہ تاثر بصورتِ تصویر 'حسِ خیال' میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

۳۔حسِ واہمہ: جس طرح محسوسات کی ظاہری شکل وصورت کو 'حسِ مشترک' نے حواسِ ظاہری سے وصول کیا تھا اور 'حسِ خیال' نے اسے اپنے ریکارڈ میں محفوظ کر لیا تھا' اسی طرح 'حسِ واہمہ' مدرِکاتِ حسّی کے معنی ومفہوم یعنی ان کی باطنی شکل وصورت کا اِدراک کرتی ہے اور محفوظ رکھنے کے لیے ان تاثرات کو اپنے سے اگلی حس میں منتقل کر دیتی ہے' جسے 'حافظہ' (memory) کہتے ہیں۔

۴۔حسِ حافظہ: یہاں محسوسات کے مفہوم یعنی معنوی وجود کو اس طرح سے محفوظ کیا جاتا ہے جیسے اُن کی ظاہری شکل کو 'حسِ خیال' میں محفوظ کیا گیا تھا۔

۵۔حسِ متصرفہ: پانچویں اور آخری باطنی حس 'متصرفہ' کہلاتی ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ 'حسِ مشترک' میں آنے والی ظاہری صورت کو 'حسِ واہمہ' میں حاصل ہونے والے معنی سے اور 'حسِ خیال' میں محفوظ شکل وصورت کو 'حسِ حافظہ' میں محفوظ مفہوم کے ساتھ جوڑ دیتی ہے۔ یوں انسان مختلف الفاظ سن کر ان کا مفہوم سمجھنے' مختلف رنگ دیکھ کر ان میں تمیز کرنے اور مختلف ذائقے چکھ کر ان میں فرق معلوم کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

اس طرح یہ پانچوں حصے باہم مل کر ایک خاص نقطے تک پہنچتے ہیں' جسے 'علم' (knowledge) کہا جاتا ہے' یہاں اِدراک (perception) 'علم' میں بدل جاتا ہے۔ اگر یہاں 'حسِ مشترک' موجود نہ ہو تو یہ پانچوں حواس بے بس ہو کر رہ جائیں' اگر ان میں 'حسِ واہمہ' صحیح نہ ہو تو ہم سب کچھ دیکھیں گے لیکن جان کچھ نہ سکیں گے' آواز تو سنائی دے گی مگر اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آ سکے گا' چیز کو ہاتھوں سے چھُوا تو جا رہا ہو گا مگر نرم اور سخت چیزوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا جا سکے گا۔

حواسِ خمسہ باطنی کی بے بسی: اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ 'حواسِ خمسہ ظاہری' علم تک

رسائی حاصل کرنے کے لیے 'حواسِ خمسہ باطنی' کے محتاج ہیں۔ جب تک حواسِ ظاہری کے مدرِکات اِن پانچوں حواسِ باطنی سے گزر کر ایک صحیح نتیجے تک نہ پہنچیں اس وقت تک حواسِ ظاہری کے ذریعے محسوس کیے جانے والے تمام مادّی حقائق علم کی شکل اِختیار نہیں کر سکتے۔ گویا حواسِ خمسہ ظاہری کسی شے کو محسوس تو کرتے ہیں' اسے معلوم نہیں کر سکتے۔

دوسری طرف عقل اور اس کے پانچوں باطنی حواس مکمل طور پر 'حواسِ خمسہ ظاہری' کے محتاج ہیں۔ اگر آنکھ دیکھنے سے' کان سننے سے' ناک سونگھنے سے اور زبان چکھنے سے محروم ہو تو تمام عقلی حواس مل کر بھی کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے' لہٰذا جہاں حواس عقل کے محتاج ہیں وہاں خود عقل بھی حواس کی محتاج ہے۔

اگر کسی بچے کی پرورش کا آغاز اس کی پیدائش کے معاً بعد ایسے مقام پر کیا جائے جہاں کوئی آواز اس کے کان میں نہ پڑنے پائے تو وہ پچاس سال کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی نہ کچھ بول سکے گا اور نہ سمجھ سکے گا۔ وجہ فقط یہ ہے کہ ہم جو کچھ اپنی زبان سے بولتے ہیں یہ دراصل اُن آوازوں کا نتیجہ ہوتا ہے جو کانوں نے سنیں اور جنہیں عقل نے حافظے میں محفوظ کر لیا۔ جب کوئی شخص اپنے کان سے کچھ سن ہی نہیں سکا اور اس کی عقل الفاظ' حروف' لہجوں اور آوازوں کو محفوظ ہی نہ کر سکی تو جس طرح اس کا دِماغ الفاظ کے معاملے میں سفید کاغذ کی طرح کورا رہا' اسی طرح اُس شخص کو اپنی کیفیات' حاجات اور خواہشات کے بیان پر بھی قدرت حاصل نہ ہو سکی۔

اب یہ طے پا گیا کہ انسانی عقل کی پرواز صرف وہیں تک ہوتی ہے جہاں تک حواس اپنا کام کرتے ہیں۔ چنانچہ جو حقیقت ہماری باصرہ' سامعہ' لامسہ' ذائقہ اور شامہ قوتوں کی دسترس سے باہر ہو اس کا اِدراک عقل بھی نہیں کر سکتی۔ حواس کے خام مال کے بغیر عقل ایک عضوِ معطل ہے اور عقل کے بغیر سارے کے سارے حواس عبث و بے کار ہیں۔ پس انسان کو جو ذرائع عطا کیے گئے ہیں وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اس لیے 'حواسِ خمسہ ظاہری' اور 'حواسِ خمسہ باطنی' (عقل) کی فعّالیت کے باوجود انسانی زندگی کی حقیقت سے متعلق اکثر سوالات تشنۂ طلب رہتے ہیں' مثلاً یہ کہ انسان کی زندگی کا مقصد (purpose) کیا ہے؟ انسان کو کس نے پیدا کیا؟ انسان کی تخلیق (creation) کیسے ہوئی؟ آغازِ کائنات کیسے ہوا اور اس کا اختتام کیسے اور کب ہو گا؟ اس کائنات سے اس کا تعلق کیا ہے؟ اس کائنات میں زندگی گزارنے کے لیے کون سے قانون کی پاس داری کی جائے؟ کون سی چیز اچھی ہے اور کون سی بُری؟ ظلم کیا ہے اور انصاف

کیا؟ مرنے کے بعد انسان کہاں جاتا ہے؟ آیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے یا ایک نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے؟ اگر وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے تو اس نظامِ زندگی کا مفہوم کیا ہوا؟ اور اگر مرنے کے بعد نئی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو اس کی کیفیت کیا ہے؟ مزید یہ کہ مرنے کے بعد اس سے کوئی جواب طلبی بھی ہوگی یا نہیں؟

یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جو انسانی ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ علیٰ ھٰذا القیاس اگر انسانی زندگی بامقصد ہے تو انسان کو ان سوالوں کے تسلی بخش جواب چاہئیں۔ جب یہ تمام سوالات انسانی عقل پر دستک دیتے ہیں تو انسان ان کے جواب کے لیے اپنی 'آنکھوں' کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ جواب دیتی ہیں کہ ہم تو خود تیرے باعث معرضِ وجود میں آئی ہیں..... ہم تیری تخلیق سے پہلے کا حال کیونکر جان سکتی ہیں!..... انسان اپنے 'کانوں' سے پوچھتا ہے..... کان گویا ہوتے ہیں کہ ہمارا وجود خود تیری ہستی کا رہینِ منت ہے..... جو اشیاء ہمارے دائرۂ اِدراک سے ماوراء ہیں' ہم ان کا جواب کیسے دے سکتے ہیں!..... انسان اپنی 'قوتِ شامہ' کی طرف متوجہ ہوتا ہے..... وہ جواب دیتی ہے کہ یہ حقائق سونگھنے سے معلوم نہیں ہوتے..... میں ان سوالات کا جواب کس طرح دوں!..... انسان اپنی 'قوتِ ذائقہ' سے پوچھتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ ان ماورائی حقیقتوں کو چکھا نہیں جا سکتا..... میں بھی مجبور ہوں..... پھر انسان اپنی 'قوتِ لامسہ' سے سوال کرتا ہے تو وہ جواب دیتی ہیں کہ میں ان احوال کو چھو نہیں سکتی..... ان کی نسبت کیا بتاؤں.....!

الغرض انسان نے 'حواسِ خمسہ ظاہری' میں سے ہر ایک کے دروازے پر دستک دی..... اُن میں سے ہر ایک سے پوچھا کہ بتاؤ ہمارا خالق کون ہے.....؟ زندگی کا مقصد کیا ہے.....؟ مجھے مرنے کے بعد کہاں جانا ہے.....؟ اچھائی اور برائی کا معیار کیا ہے.....؟ مگر انسانی حواس انتہائی درماندگی کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حقائق کوئی آواز نہیں کہ ہم سن کر بتا سکیں' کوئی رنگ نہیں کہ دیکھ کر جواب دے سکیں' مادّی اَجسام نہیں کہ چھو کر فیصلہ صادر کر سکیں۔ یوں انسانی حواس کی بے بسی اور عاجزی پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ تمام حقائق جن سے انسان کی اَخلاقی و روحانی اور اِعتقادی و نظریاتی زندگی تشکیل پاتی ہے' وہ پانچوں حواس اس کی زد سے ماوراء ہیں' تب انسان اپنی عقل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا دامن جھنجوڑ کر کہتا ہے' اے میرے وجود کے لیے سرمایۂ افتخار چیز!.....

میری زندگی کے بنیادی حقائق سے متعلق مجھے تمام حواس نے مایوس کر دیا..... اب تو ہی اس سلسلے میں میری رہنمائی کر..... مگر عقل بھی اپنے پانچوں حواسِ خمسہ باطنی کی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے کہ اے انسان! میں تو خود تیرے 'حواسِ ظاہری' کی محتاج ہوں..... جو چیز حواسِ خمسہ ظاہری کے اِدراک میں نہیں آ سکتی اس کے متعلق میں کیسے فیصلہ صادر کر سکتی ہوں!..... اگر ظاہری حواس خاموش ہیں تو میرے باطنی حواس کو بھی بے بس و مجبور سمجھ.....! اور یوں انسان کے ظاہری و باطنی تمام حواس قطعی طور پر اپنی تنگ دامانی کا اِعتراف کر لیتے ہیں۔

(۳) اِنسانی قلب کے لطائف خمسہ

اِن تمام حواسِ ظاہری و باطنی کے علاوہ بھی اللہ ربّ العزت نے انسان کو ذریعۂ علم کے طور پر ایک اور باطنی سرچشمہ بھی عطا کر رکھا ہے' جسے 'وِجدان' (intution) کہتے ہیں۔ 'وِجدان' بعض ایسے حقائق کا اِدراک کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتا ہے جن میں حواسِ ظاہری و باطنی ناکام رہ جاتے ہیں۔

وِجدان کے بھی پانچ ہی گوشے ہیں جنہیں 'لطائف خمسہ' سے تعبیر کیا جاتا ہے:

(۱) لطیفۂ قلب (۲) لطیفۂ رُوح (۳) لطیفۂ سِرّ (۴) لطیفۂ خفی (۵) لطیفۂ اَخفیٰ

ان لطائف کے ذریعے انسان کے دل کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے' حقائق سے پردے اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں' رُوح کے کان سننا شروع کر دیتے ہیں اور یوں اِنسانی قلب بعض ایسی حقیقتوں کا اِدراک کرنے لگتا ہے جو حواس و عقل کی زد میں نہیں آ سکتے' لیکن انسانی وِجدان کی پرواز بھی محض طبیعی کائنات تک ہی محدود ہے۔

امام غزالیؒ اس سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَوراءُ العقل طورٌ آخر تنفتح فيه عين أخرىٰ فيبصر بها الغيب وما سيكون فى المستقبل وأمورًا آخرَ العقل معزول عنها (المنقذ من الضلال:٥٤)

''عقل کے بعد ایک اور ذریعہ ہے جس میں باطنی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس کے ذریعے اوجھل حقائق اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کو دیکھا جا سکتا ہے اور اُن دیگر امور کو بھی جن کے اِدراک سے عقل قاصر رہتی ہے۔''

وِجدان طبیعی کائنات کے مخفی حقائق کا ادراک کرنے پر قادر ہے' لیکن وہ حقائق جو طبیعی کائنات کی وُسعتوں سے ماوراء ہیں' جو خدا کی ذات و صفات سے متعلق ہیں اور انسان کی تخلیق

اوراس کے مقصدِ تخلیق‘ نیز اس کی موت اور مابعد الموت سے تعلق رکھتے ہیں‘ ان کے بارے میں حتمی اور قطعی علم کے سلسلے میں وجدان بھی ’حواسِ خمسہ ظاہری‘ اور ’عقل‘ کی طرح قاصر ہے۔ انسان نے یکے بعد دیگرے تینوں ذرائع علم کے دروازوں پر دستک دی‘ ان میں سے ایک ایک کو پکارا مگر ہر ایک نے اسے مایوس کر دیا۔ کوئی بھی ذریعہ اس کے علم کو حتمیت اور قطعیت نہ دے سکا۔ اب انسان خدا تعالیٰ کی ذات کو پکار اٹھتا ہے:

اے ربِّ کائنات! میں خود اپنی ذات‘ اس کائنات اور تیری ذات کو یقینی طور پر سمجھنا چاہتا ہوں‘ مگر میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو مجھے مطمئن کر سکے۔ اس لیے اس کائنات میں میرے لیے علم کا کوئی ایسا سرچشمہ پیدا کر دے‘ علم کا کوئی ایسا منبع تخلیق کر دے‘ جو مجھے ان حقائق کے بارے میں حقیقی آگہی بخش سکے‘ جہاں تمام حواس ناکام ہو جائیں وہاں اسے پکارا جا سکے‘ جہاں انسانی عقل خیرہ ہو جائے وہاں اس سے مدد کی درخواست کی جا سکے‘ جہاں انسانی وجدان بھی نامراد لوٹ آئے وہاں اس سرچشمہ علم سے فیضان کی بھیک مانگی جائے۔

اِنسانی علوم کی بے بسی اور علمِ نبوت کی ضرورت

اِنسان جب پوری طرح اپنی علمی بے بسی اور فکری کم مائیگی کا اعتراف کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ندا آتی ہے: اے انسان!...... تو نے اپنے علم اور اپنے ذرائع کی بے بسی کا اعتراف کر لیا...... ہم تجھے یہی سمجھانا چاہتے تھے کہ تو کہیں اپنے حواس و عقل اور کشف و وجدان کی بدولت یہ تصور نہ کر بیٹھے کہ میرا علم درجۂ کمال کو پہنچ گیا ہے...... حقیقت یہ ہے کہ تیرا علم ابھی کائنات کی حقیقتوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا...... اِسی لیے قرآنِ مجید میں روح کی حقیقت پر بحث کے دوران میں اِرشاد فرمایا گیا:

﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۵﴾ (الإسراء)

’’اور تمہیں بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔‘‘

اے انسان! تجھے جس سرچشمۂ علم کی تلاش تھی وہ ہم نے نظامِ نبوت و رسالت کی صورت میں اس کائنات میں قائم کر دیا ہے...... چنانچہ علم نبوت اور ہدایت ربانی نے بالآخر انسان پر وہ عظیم احسان کیا ہے کہ جس کی بدولت اس کے شعوری‘ علمی اور فکری ارتقاء کا سفر اپنی منزلِ مقصود تک جا پہنچا۔ یہ سب کچھ ربوبیتِ الٰہیہ کا پرتَو تھا‘ جس نے انسان کی جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کی شعوری اور فکری و علمی نشوونما کا بھی سامان مہیا کر دیا‘ ورنہ وہ ہمیشہ ہمیشہ

حقیقت مطلقہ سے لاعلمی اور جہالت کا شکار رہتا۔ اُسی ربِّ کریم کی شانِ ربوبیت نے اسے سنبھالا دیا اور اس کا فکر و شعور اپنے ساحل مراد تک پہنچنے کے قابل ہوا۔ اس آخری ہدایت کے بغیر انسانی فکر و شعور ’میت‘، ’عقلیت‘ اور ’تشکیک‘ کے بھنوروں سے نکل کر بالآخر ’لاادریت‘ کے دامن میں اعترافِ ناکافی کر کے ستانے لگا تھا اور اس امر کا برملا اعلان کر رہا تھا کہ انسان حقیقتِ علیا (Ultimate Reality) کو نہیں جان سکتا اور حسن مطلق (Absolute Beauty) کی جلوہ ریزیوں سے شاد کام نہیں ہو سکتا کہ اسے یکایک ندا سنائی دی: ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ ’’اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا!‘‘ تمہاری جبلی‘ طبعی‘ حسی‘ عقلی اور قلبی و وجدانی استعداد نے تمہیں جواب نہ دیا تو کیا ہوا‘ ربِّ کریم کی رحمت کا دروازہ تو بند نہیں ہوا۔ آ ہم تجھ پر اپنی ہدایت کا دروازہ کھولتے ہیں اور وہ ہے ’’بابِ نبوت‘‘ جس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے تجھے وحی الٰہی کے نورِ علم سے یوں سرفراز اور منور کیا جائے گا کہ تیرے فکر و شعور کی ساری منزلیں قیامت تک اسی روشنی میں طے ہوتی رہیں گی۔ اس چشمۂ نبوت کے ذریعے تیری تمام مایوسیاں ہمیشہ کے لیے ختم کر دی جائیں گی۔ پھر تیرا فکری ارتقاء اس ’علمِ بالوحی‘ کی روشنی میں ہمیشہ صحیح سمت میں اس طرح جاری رہے گا کہ اس میں کبھی تعطل نہ آ سکے گا۔

اِنسانی زندگی کے فکری و شعوری ارتقاء کے سلسلے میں اللہ ربّ العزت نے حواسِ خمسہ ظاہری‘ عقل کے حواسِ خمسہ باطنی اور وِجدان کے لطائفِ خمسہ کو پروان چڑھایا اور انہیں حقیقت تک پہنچنے کے لیے ذریعہ بنایا۔ تاہم جو حقائق ان کی حدود سے ماوراء ہیں ان کے لیے علم بالوحی کی ضرورت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ ان حقائق سے آگہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے اِنسانیت کو ہدایت بخشی۔

❁❁❁

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت‘ اہمیت و لزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

اللہ کے ذکر سے حاصل ہونے والی

پہاڑوں کے برابر نیکیاں

کہیں ضائع نہ ہو جائیں!

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

ذکر کا معنی ہے یاد —— اور ذکر اللہ' اللہ کی یاد۔ اللہ کو یاد کرنا بہت بڑا عمل ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (العنکبوت:۴۵) ''اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے''۔ اسی طرح سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہوا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾﴾ ''اے اہل ایمان! اللہ کا ذکر کرو بہت زیادہ''۔ سورۃ الجمعہ میں فرمایا: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾﴾ ''اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو' شاید کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے''۔ قرآن مجید میں ذکر کثیر کی تلقین کی گئی ہے۔ چونکہ اللہ کا ذکر فلاح و کامرانی کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی فلاح پسند ہے اس لیے وہ بار بار اور کثرت کے ساتھ اپنے ذکر کی تاکید کرتا ہے۔

قرآن مجید تو سراسر ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾﴾ (الحجر) ''بے شک ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مہربانی ہے کہ جس ذکر کو فلاح کا سبب بتایا ہے وہ قرآن کی صورت میں ہر قسم کی تحریف سے محفوظ کر دیا ہے۔ نہ وہ مٹ سکتا ہے اور نہ اس میں کسی طرح کی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اب انسان کو ہمہ وقت اس ذکر سے فائدہ اٹھانے کا موقع میسر ہے۔

ذکر اللہ کا روحانی فائدہ تو مبنی بر حقیقت ہے' لیکن یہ مادی اور دنیوی فائدوں سے بھی خالی

نہیں۔ دل کا اطمینان بڑی نعمت ہے۔ دنیا کی زندگی میں آدمی کو طرح طرح کی فکرمندیاں' خواہشات' آرزوئیں اور تمنائیں ہیں جو پریشانی اور tension کا باعث ہوتی ہیں' مگر جو شخص خلوصِ نیت کے ساتھ اللہ کے ذکر کو اپنا لیتا ہے وہ آسودہ اور مطمئن زندگی گزارتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾﴾ (الرعد) ''خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ہوا کرتا ہے''۔ جب ہر طرح کی بے اطمینانی' پریشانی' فکر اور اندیشے اللہ کے ذکر سے کافور ہو جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اللہ کے ذکر سے غفلت جہاں ناکامی' نامرادی' بے چینی اور ہجوم افکار پیدا کرتی ہے' وہاں دُنیوی زندگی کو بدمزہ کر دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾﴾ (الزخرف) ''اور جو اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں پھر ہر وقت وہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔''

اس طرح اللہ تعالیٰ نے جہاں ذکر اللہ کی اہمیت واضح کر دی ہے وہاں اس سے غفلت کا نتیجہ بھی بتا دیا ہے۔ اگرچہ دنیا میں اللہ کی رضا کی خاطر کیے جانے والے کئی دوسرے اعمال فضیلت کے باعث ہیں' مگر اللہ کا ذکر وہ عمل ہے جو سب سے اعلیٰ درجہ رکھتا ہے' بلکہ ذکر اللہ دوسرے اچھے اعمال کو بھی زیادہ اچھا کر دیتا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کون سے جہاد کا اجر سب سے زیادہ ہے؟ ارشاد فرمایا: ''جس جہاد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے زیادہ ہو''۔ پوچھا: روزہ داروں میں سب سے زیادہ اجر کسے ملے گا؟ فرمایا: ''جو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ ذکر کرنے والا ہو''۔ پھر اسی طرح نماز' زکوٰۃ' حج اور صدقہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نماز' زکوٰۃ' حج اور صدقہ افضل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ابوحفص! ساری خیر اور بھلائی تو ذکر کرنے والے لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بالکل ٹھیک کہتے ہو۔'' (مسند احمد)

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ کا ذکر ایسے الفاظ میں ہو جن سے اللہ کی کسی صفت کا اظہار ہوتا ہو یا کوئی التجا یا دعا ہو' مگر حقیقت یہ ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کا نام ہی اس قدر فضیلت والا ہے کہ صرف اللہ اللہ کہنا بھی اللہ کا ذکر ہے' بلکہ بلند پایہ ذکر ہے۔ سورۃ المزمل کی ابتدائی آیات میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ہدایات کے ضمن میں ارشاد ہوا: ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ

تَبۡتِیۡلًا ﴿٨﴾ (المزمل) ''اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور سب سے کٹ کر اُسی کے ہو رہو!''

جیسا کہ ماقبل بیان ہوا کہ قرآن مجید سراسر ذکر ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی تلاوت اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے۔ اسی طرح نماز بھی ذکر کا بہت بڑا ذریعہ ہے: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ﴿١٤﴾﴾ (طٰہٰ) ''میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو''۔ قیام میں سُبۡحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمۡدِكَ پڑھتے ہیں تو اللہ کی ثنا بیان کرتے ہیں۔ سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں تو اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ رکوع میں سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡعَظِیۡمِ اور سجدے میں سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی کہتے ہیں تو اللہ کی عظمت اور بزرگی کا اقرار کرتے ہیں۔ پھر قعدے میں بیٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرتے اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔ یہ سارا کچھ ذکر اللہ ہے۔ اسی لیے نمازی کو چاہیے کہ نماز پڑھتے وقت اللہ کی توحید، عظمت، رفعت اور بزرگی اپنے اوپر طاری رکھے۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب بندہ نماز کے الفاظ کے معانی اور مطالب سے بھی آگاہ ہو۔ قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی فَادۡعُوۡهُ بِهَا﴾ (الاعراف: ١٨٠) ''اور اللہ ہی کے لیے اچھے نام ہیں، پس تم اُسے ان ہی (ناموں) سے پکارو!'' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر کے تمام مسنون الفاظ اچھے ہیں، تاہم یہاں بھی فرقِ مراتب نمایاں ہے۔ جب ہم احادیث کی روشنی میں مختلف اذکار کے فضائل جانتے ہیں تو تمام اَوراد واَذکار ہی اجر وثواب کے اعتبار سے اس قدر عظیم الشان ہیں کہ اختیار کرنے کے لیے آسانی سے چناؤ نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَفۡضَلُ الذِّکۡرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) (رواہ الترمذی وابن ماجه)

''سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے۔''

کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' ذکر کے دوسرے کلمات کے مقابلے میں ایک مخصوص فضیلت اور خصوصیت رکھتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: اے میرے ربّ! مجھ کو کوئی کلمہ تعلیم فرما جس کے ذریعے میں تیرا ذکر کروں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! لا الٰہ الا اللہ کہا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: اے میرے ربّ! یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں، میں تو وہ کلمہ چاہتا ہوں جو آپ خصوصیت سے مجھے ہی بتائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا وہ سب کائنات جس سے آسمانوں کی آبادی ہے اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے

میں رکھی جائیں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں تو لا الٰہ الا اللہ کا وزن ان سب سے زیادہ ہوگا۔'' (شرح السنہ للبغوی) لا الٰہ الا اللہ وہ کلمہ ہے جس کا اقرار انسان کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لے آتا ہے۔ یہ لا الٰہ الا اللہ ہی کا اقرار ہے کہ بندہ راستے سے پتھر کا ٹکڑا بھی ہٹا دے گا تو اجر پائے گا جبکہ اس کلمے کا انکاری بڑا اچھا اور مفید کام بھی کرے گا تو کوئی اجر نہیں پائے گا۔ عاقبت میں اس کے لیے نجات نہیں، بلکہ نارِ جہنم ہے۔ جب صاحب ایمان اس کلمے کا ذکر کرتا ہے تو بے حساب ثواب پاتا ہے۔

سُبۡحَانَ اللّٰهِ، اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اور اَللّٰهُ اَکۡبَر یہ وہ چار کلمات ہیں جن کے ذکر کی رسول اللہ ﷺ نے خصوصی فضیلت اور اجر وثواب بیان فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے درخت کے پاس سے گزرے جس کے پتے سوکھ چکے تھے۔ آپؐ نے اس پر اپنا عصائے مبارک مارا تو اس کے سوکھے پتے جھڑ پڑے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکۡبَرُ بندے کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح تم نے اس درخت کے پتے جھڑتے دیکھے''۔ (جامع ترمذی) یہ وہ چار کلمات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، حمد، توحید اور بزرگی کا اقرار ہے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ کلمات بہت پسند تھے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کو پسند کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس دنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج کی روشنی پڑتی ہے ان سب چیزوں کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دفعہ سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکۡبَرُ کہوں۔'' (صحیح مسلم)

اللہ کے ذکر کی فضیلت اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ اسے تمام اعمال سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی معظم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ بندوں میں کون سب سے افضل ہے اور قیامت کے دن درجے کے لحاظ سے اَرفع (بہت اونچا) کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کو زیادہ یاد کرنے والے بندے اور زیادہ یاد کرنے والی بندیاں''۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا ان لوگوں کا درجہ اُس بندے سے بھی اونچا ہے جو راہِ خدا میں جہاد کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کسی بندے نے کفار اور مشرکین کی صفوں میں گھس کر تلوار چلائی یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ گئی اور وہ دشمنوں کے

ہاتھوں زخمی ہو کر خون میں لت پت ہو گیا تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا بندہ درجہ میں اس سے افضل ہے''۔(مسند احمد' جامع ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید' عظمت اور کبریائی پر مشتمل بہت سے کلمات ہیں' جن کے فضائل بے شمار ہیں۔ یہ جملے اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں اور اجر و ثواب کے لحاظ سے اونچے درجے کے ہیں۔ چند کلماتِ ذکر کی عظمت ملاحظہ ہو۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام کیا ہے؟'' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے بتا دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام کیا ہے۔ ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ہے''۔(صحیح مسلم)

تسبیح و تحمید کی فضیلت میں ذخیرۂ احادیث میں ایک بہت پیاری حدیث وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ)) (متفق علیہ)

''دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو بہت محبوب ہیں۔ زبان پر بہت ہلکے ہیں اور میزان میں بہت وزنی ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔''

امام بخاریؒ نے اپنی ''صحیح البخاری'' کا اختتام اسی حدیث پر کیا ہے اور مدارسِ دینیہ میں ''تقریب ختم بخاری'' میں یہی حدیث زیر مطالعہ آتی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھ سے فرمایا: ''میں تمہیں وہ کلمہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟'' میں نے عرض کیا: ضرور بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ہے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' (متفق علیہ)

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ یہ وہ کلمات ہیں جن کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی تھی۔ یہ بھی ذکر اللہ کے خاص کلمات ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ قرآن مجید سارا ہی ذکر ہے' اس لیے اس کی تلاوت کریں تو ذکر اللہ کے وہ تمام کلمات آ جاتے ہیں جن کا پڑھنا اجر و ثواب کا باعث ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کی رو سے قرآن کریم کی تلاوت سے ہر حرف کے بدلے دس

نیکیاں عطا ہوتی ہیں۔

بلاشبہ اللہ کا ذکر زبان سے کرنا بڑی فضیلت کا کام ہے' تاہم انسان کے عمل میں بھی اللہ کا ذکر ہونا چاہیے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (الجمعة) ''پس جب نماز (جمعہ) پڑھی جا چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پاؤ''۔ یعنی مسجد میں نماز ادا کر کے جب نکلو اور اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاؤ تو بھی اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ گویا اللہ کے ذکر کے لیے کسی جگہ یا وقت کا تعین نہیں۔ ذکر اللہ مسلمان کا ہمہ وقتی وظیفہ ہونا چاہیے۔ قرآن مجید میں ان لوگوں کو صاحب شعور (اولوالالباب) فرمایا گیا ہے جو اللہ کو یاد کرتے ہیں' کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے (آل عمران: ۱۹۱) یعنی ہر حال میں۔

قرآن مجید تو سراسر اللہ کا ذکر ہے' جبکہ حدیث شریف میں اللہ کے ذکر پر مشتمل بعض طویل اور اکثر قصیر جملے ملتے ہیں جو لاتعداد نیکیوں کا باعث ہیں۔ اس طرح کثرت سے ذکر کرنے والا شخص ڈھیروں نیکیاں اکٹھی کر لیتا ہے جو اس کے لیے آخرت کا ذخیرہ اور اجر و ثواب کا باعث ہوں گی۔

جیسا کہ اوپر ذکر اللہ کی فضیلت نقل ہوئی' اس میں کچھ شبہ نہیں کہ زبان کے ساتھ اللہ کا ذکر نیکیاں کمانے کا مؤثر ذریعہ ہے' مگر برائیوں سے نہ بچنا اور حقوق العباد کی تلفی نیکیوں کو ضائع کر دینے کی تاثیر رکھتی ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (ھود: ۱۱۴) ''یقیناً نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں''۔ عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ انسان عملی طور پر اللہ اور اس کے رسول کا مطیع فرمان ہو۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ذکر الٰہی کا زبان سے ادا کرنا اپنا اثر کھو بیٹھے گا۔ یہ سمجھنا انتہائی خود فریبی ہے کہ زبانی ذکر بڑی فضیلت کی چیز ہے' لہٰذا کاروبارِ زندگی میں احکامِ الٰہی کی نافرمانی سے کچھ نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ روزِ محشر نیکیاں اور بدیاں تولی جائیں گی' جس کا وزن زیادہ ہوگا' اسی کے مطابق جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ذکر اللہ کے ساتھ نیکیاں ملنے کی خوشخبری سنائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ سے سوال کر کے حقیقت معلوم کر لی جو ہم تک پہنچ چکی ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے اُس کے لیے جنت واجب

ہوجاتی ہے‘ جو شخص سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سو مرتبہ پڑھتا ہے اس کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں‘‘۔ صحابہؓ نے عرض کیا: ایسی حالت میں تو کوئی بھی ہلاک نہیں ہوسکتا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’(بعض لوگ پھر بھی ہلاک ہوں گے‘ اس لیے کہ) تم میں سے ایک شخص اتنی نیکیاں لے کر آئے گا کہ وہ پہاڑ پر رکھ دی جائیں تو وہ دب جائے گا‘ لیکن اللہ کی نعمتوں کے مقابلے میں وہ نیکیاں ختم ہو جائیں گی‘ پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جس کی چاہیں گے مدد فرمائیں گے اور ہلاک ہونے سے بچالیں گے۔‘‘ (مستدرک حاکم)

حضرت انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتے ہیں جو لقمہ کھائے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے یا پانی کا گھونٹ پیے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے۔‘‘ (مسلم) گویا ہر لمحے اللہ کا ذکر کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸﴾ (التکاثر) ’’پھر اُس دن تم سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا‘‘۔ یعنی تم نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ تو اٹھایا کیا ان کا حق بھی ادا کیا؟ یعنی انہیں اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کیا؟ انسان کے لیے سب سے بڑی نعمتیں تو اس کے اعضاء و جوارح ہیں جن کو وہ ہمہ وقت استعمال کرتا ہے۔ ان نعمتوں کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا اور انسان کو جواب دینا ہوگا۔ مثلاً پوچھا جائے گا کہ تمہارے پاس اللہ کی نعمت آنکھیں تھیں‘ تم نے ان کے استعمال میں اللہ کو یاد رکھا؟ دنیا کی بے شمار چیزوں میں سے اکثر دیکھنے کی تھیں‘ کچھ کی طرف دیکھنا ممنوع تھا‘ تم نے ممنوع چیزوں کا دیکھنا چھوڑا؟ آنکھوں سے قرآن مجید‘ حدیث شریف اور اسلامی تعلیمات پر مبنی تحریروں کو پڑھا یا ناول‘ افسانے اور فحش لٹریچر پڑھتے رہے؟ تمہارے ہاں ٹی وی موجود تھا‘ اس میں دکھائے جانے والے بے مقصد ڈرامے‘ جن میں عریاں لباس میں ملبوس بنی ٹھنی عورتوں کے کردار دکھائے جاتے تھے‘ مخلوط محفلوں کے مناظر دکھائے جاتے تھے‘ کیا تم نے ان کے دیکھنے سے گریز کیا یا لگاتار دیکھتے رہے؟ اسی طرح زبان کے بارے میں سوال ہوگا کہ اسے کیسے استعمال کیا؟ فضول‘ بے مقصد اور غیر محتاط گفتگو کرتے رہے یا اچھی گفتگو کی؟ کیا گفتگو کرتے وقت تمہارے پیش نظر یہ آیت رہی: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝۱۸﴾ (قٓ) ’’جو لفظ بھی وہ بولتا ہے تو اس کے پاس ایک مستعد نگران (فرشتہ) ہوتا ہے (جو اس کو لکھ لیتا ہے)‘‘۔ یعنی تمہاری گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے۔ جو لفظ بھی تم زبان سے نکالو گے وہ تمہارے

نامۂ اعمال میں درج ہوجائے گا۔ کیا تم نے کبھی اس طرف دھیان کیا کہ میرے نامۂ اعمال میں جو کچھ درج ہو رہا ہے وہ اللہ کے پسند کی گفتگو ہے یا اسے ناراض کرنے والی؟ کیا زبان کو جھوٹ‘ غیبت‘ چغلی‘ بہتان‘ گالی گلوچ میں استعمال کیا؟ کان اللہ کی نعمت ہیں‘ پوچھا جائے گا تم نے اس عظیم نعمت کو کس طرح خرچ کیا؟ پند و نصائح کی مجالس میں شرکت کی‘ تلاوت سنتے رہے‘ بزرگوں کی پرتاثیر باتیں سنیں یا موسیقی سے لطف اندوز ہوتے رہے اور گانے سنتے رہے‘ بلکہ اپنی گاڑی میں گانوں پر مشتمل کیسٹ رکھی اور ڈرائیونگ کے دوران کانوں کے استعمال سے اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کیا؟

ہاتھ اور پاؤں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں۔ اگر ان کی قدر پوچھنا ہو تو ان سے پوچھو جو ان سے محروم ہیں۔ پوچھا جائے گا کہ اپنے ہاتھوں کے ساتھ اپنے زیردستوں یا کمزوروں پر ظلم کیا یا ضرورت مندوں کی مدد کی؟ اسی طرح اپنے پاؤں پر چل کر چوری اور ڈاکے کے لیے نکلے یا نماز کی ادائیگی یا کسی غریب کی مدد کے لیے نکلے؟

عقل و شعور انسان کا امتیازی اعزاز ہے۔ اس کو کس طرح استعمال کیا؟ اس سے برے بھلے کی پہچان کی یا اس کا آزادانہ اور حسب منشا استعمال کیا؟ اس کا مثبت استعمال کیا یا منفی؟ کیا آپ ان علمائے سوء کے مداح تھے جنہوں نے عورتوں کے پردے کی مخالفت کی یا اس طرح کی نام نہاد تحقیق کی حمایت کی جس سے رسول اللہ ﷺ کے واضح احکام کی نفی ہوتی ہو؟ غرض انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔ انہی نعمتوں کے بارے میں انسان سے مؤاخذہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَزُوْلُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ : عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَ اَفْنَاهُ ، وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ ، وَمَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَ اَنْفَقَهٗ ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَ عَلِمَ)) (رواه الترمذی)

’’قیامت کے دن (جب حساب کتاب کے لیے بارگاہِ خداوندی میں پیشی ہوگی تو) آدمی کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اُس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرلی جائے۔ (اوّل) اس کی پوری زندگی کے بارے میں کہ کن کاموں اور مشغلوں میں اس کو ختم کیا؟ (دوم) خصوصیت سے اس کی جوانی کے بارے میں کہ کن کاموں میں اس کو بوسیدہ اور پرانا کیا؟ (سوم اور چہارم) مال و دولت کے

بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا اور کن کاموں اور کن راہوں میں اس کو خرچ کیا؟ (پنجم) جو کچھ علم حاصل کیا اس پر کتنا عمل کیا؟''

اس حدیث کو پڑھ اور سن کر ہر شخص غور کرے اور فکر مند ہو کہ وہ ان سوالات کے جواب دینے کے لیے کہاں تک تیار ہے؟ کیا وہ زندگی گزارنے میں سنجیدہ اور متفکر ہے کہ اسے ان سوالات کے جواب دینے ہوں گے؟

کیا اس نے روزی کمانے کے لیے سودی کاروبار' ناجائز چیزوں کی خرید و فروخت' ملاوٹ' جھوٹ اور دھوکہ دہی تو اختیار نہیں کی؟ کیا انسان اس سوال کے جواب میں اپنے آپ کو تیار پاتا ہے کہ اس نے جوانی کیسے گزاری؟ جوانی میں انسان طاقت ور اور توانا ہوتا ہے۔ وہ جوانی کا وقت اس طرح آزادانہ گزارتا ہے کہ قوت کے نشے میں اسے فکر آخرت کا خیال نہیں رہتا اور وہ اپنی آزاد مرضی سے مصروفیت اختیار کر لیتا ہے۔ وہ گھنٹوں ٹی وی دیکھتا' کھیل کود میں مصروف رہتا' گپ شپ لگاتا ہے۔ اسلامی احکام کو کوئی اہمیت نہیں دیتا' سگریٹ نوشی کرتا اور ون ویلنگ جیسے فضول اور خطرناک کھیلوں میں دلچسپی لیتا ہے۔ جب کسی نوجوان کے یہ لچھن ہوں تو کیا وہ جوانی کے بارے میں پوچھے گئے سوالوں کا قابل قبول جواب دے سکتا ہے؟

ہر انسان کو زندہ رہنے کے لیے اور اپنے بال بچوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے روزی کمانے کا ذریعہ اختیار کرنا ہوتا ہے۔ روزی کمانے کے جائز ذرائع بھی ہیں ناجائز بھی۔ انسان سے پوچھا جائے گا کہ اُس نے روزی کیسے کمائی؟ اگر وہ ملازم تھا تو اُس نے فرائض منصبی دیانت داری کے ساتھ پورے کیے؟ اگر کاروبار کرتا تھا تو جھوٹ اور دھوکہ تو نہیں کرتا تھا؟ کم تول کر گاہکوں کا حق تو نہیں مارتا تھا؟ کیا چوری اور ڈاکے کو تو ذریعہ معاش نہیں بنا لیا تھا؟ رشوت تو نہیں لیتا تھا؟ دوسروں کے پلاٹ اور مکان پر ناجائز قبضہ تو نہیں کرتا تھا؟

پانچواں اور آخری سوال علم اور عمل کے متعلق ہوگا۔ اگر کسی نے ضروریاتِ دین کا علم حاصل نہ کیا تو وہ بھی پکڑا جائے گا۔ کچھ لوگ اس شیطانی وسوسے کو اختیار کر لیتے ہیں اور علم حاصل نہیں کرتے کہ نہ پتا ہوگا اور نہ عمل کرنا پڑے گا' مگر وہ نہیں جانتے کہ یہ دوہرا گناہ ہے۔ علم حاصل کرنا بھی لازمی ہے اور اس کے مطابق عمل بھی ضروری ہے۔ علم سے مراد سکول اور کالج کی تعلیم نہیں بلکہ سوال علم دین سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے بارے میں ہوگا۔ پوچھا جائے گا کہ تم نے دین کا ضروری علم حاصل کیا یا نہیں؟ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں جو کچھ تم

جانتے تھے اس پر عمل کیا یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اپنی دینی معلومات پر عمل نہیں کرتا تو وہ بھی پکڑا جائے گا۔ دینی علم پر عمل یہ بھی ہے کہ انسان جہاں خود اس پر عمل کرے دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲﴾ (الصّف) ''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟''

پس اس آخری سوال کے جواب کے لیے بھی سنجیدہ ہونا چاہیے کہ جب علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے متعلق پوچھا جائے گا تو بندہ جواب دے سکے کہ اُس نے اپنی معلومات دینی پر کس حد تک عمل کیا!

الغرض یہ وہ پانچ بنیادی سوال ہیں جو ہر شخص سے پوچھے جائیں گے۔ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والوں کو بھی ان سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سوال ہوگا اسی طرح ان پانچ سوالوں کا جواب بھی ہر انسان کو دینا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟'' صحابہؓ نے عرض کیا: ہم میں مفلس وہ آدمی ہے جس کے پاس درہم و دینار اور مال و اسباب نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن میری اُمت کا مفلس وہ آدمی ہوگا جو نماز' روزے' زکوٰۃ وغیرہ سب کچھ لے کر آئے گا' لیکن اس آدمی نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی' کسی پر تہمت لگائی ہوگی' کسی کا مال کھایا ہوگا' کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو ان سب لوگوں میں اس آدمی کی نیکیاں تقسیم کر دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کی ادائیگی سے پہلے ہی ختم ہو گئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس آدمی پر ڈال دیے جائیں گے' پھر اس آدمی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم)

گویا جس شخص نے نماز' روزے' ذکر و اذکار اور دوسرے نیکی کے کاموں سے بہت نیکیاں کمائی ہوں گی اسے بھی حساب دینا ہوگا۔ پانچ سوالوں کے جوابوں کے علاوہ اس سے حقوق العباد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ جس جس شخص کی اس نے حق تلفی کی ہوگی ان کو اس شخص کی نیکیاں دے کر راضی کیا جائے گا۔ اس شخص نے لوگوں کے حقوق اس قدر زیادہ تلف کیے ہوں گے کہ حق داروں کو بدلے میں اس کی نیکیاں دی جائیں گی تو اس شخص کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور ابھی حق دار باقی ہوں گے۔ اب ان حق داروں کو مطمئن کرنے کے لیے اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو حق داروں کے گناہ اس کے سر ڈال دیے جائیں گے اور بالآخر وہ شخص

جو بہت نیکیاں کما کر لایا تھا جہنم رسید ہو جائے گا۔ معلوم ہوا کہ جس طرح دنیا کی زندگی میں نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ (ھود:۱۱۴) ''کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں'' اسی طرح روزِ حساب حقوق العباد کی تلفیاں نیکیوں کو ختم کر دیں گی۔ لہٰذا اللہ کا ذکر کرنے والوں کو حقوق العباد کی طرف سے بے خوف ہو جانا کسی صورت بھی مناسب نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نامۂ اعمال تین طرح پر ہیں۔ ایک نامہ عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشے گا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے''۔ دوسرا اعمال نامہ جس کو اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا وہ ہے بندوں کا آپس میں ظلم کرنا۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کا بدلہ لے۔ تیسرا نامہ اعمال جس کی اللہ تعالیٰ پروا نہیں کرے گا وہ ہے بندوں کا اپنے اور خدا کے درمیان ظلم کرنا (یعنی حقوق اللہ میں کوتاہی)۔ یہ اللہ کے سپرد ہے کہ اگر چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو درگزر کرے''۔ (بیہقی)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حقوق العباد میں غفلت نیکیوں کے ڈھیر ختم کر دے گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ حق داروں کو ان کے غصب شدہ حق کے بدلے میں نیکیاں دے کر مطمئن کرے گا۔

مختصر یہ کہ ذکر و اذکار نیکیاں اکٹھی کرنے کا بہت بڑا اور آسان ذریعہ ہے' مگر یہ بات ہرگز فراموش کرنے کی نہیں کہ اگر زندگی غیر سنجیدہ بے فکری میں گزاری' ذکر و اذکار اور اوراد و وظائف میں تو لگے رہے مگر لوگوں کے حقوق تلف کیے اور اللہ کی نافرمانی والے کام بھی کرتے رہے تو اوراد و وظائف سے جمع کی ہوئی ڈھیروں نیکیاں ختم ہو جائیں گی' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حق داروں کے گناہ حق تلفی کرنے والے پر ڈال دیے جائیں اور وہ ڈھیروں نیکیوں کے باوجود جہنم میں ڈال دیا جائے۔

نتیجتاً اَوراد و وظائف اور ذکر و اذکار کو کثرت کے ساتھ اپنانا چاہیے مگر دیگر فرائض و سنن کی ادائیگی اور حقوق العباد میں احتیاط سخت ضروری ہے۔ اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی والے کاموں سے بچنا اور اللہ سے مغفرت مانگتے رہنا لازم ہے۔

❁❁❁

حجِّ بیت اللہ

شرائط' اقسام اور ادائیگی کا طریقہ

حافظ محمد زاہد☆

توحید و رسالت کی شہادت کے بعد نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج اسلام کے عناصر اربعہ ہیں۔ ایسی کئی احادیث ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے ان پانچوں چیزوں کو اسلام کے ارکان اور ستون بتایا ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ' وَاِقَامِ الصَّلَاةِ' وَاِیْتَاءِ الزَّكَاةِ' وَحَجِّ الْبَیْتِ' وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (۱)

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔''

ان عبادات میں سے نماز اور روزہ خالص بدنی' زکوٰۃ خالص مالی' جبکہ حج بدنی اور مالی عبادات کا مجموعہ ہے' اس لیے کہ اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور انسانی جسم کی توانائیاں بھی۔

لفظِ حج کا معنی و مفہوم

لفظ ''حج'' ح کی فتح (حَجّ) اور کسرہ (حِجّ) دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ' آیت ۱۹۷: ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ﴾ میں ح کی فتح کے ساتھ اور سورۂ آلِ عمران' آیت ۹۷: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ﴾ میں ح کی کسرہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ حج کے لغوی معنی ہیں: عظمت والی جگہ کا ارادہ کرنا' جبکہ حج کی شرعی تعریف یہ ہے: مخصوص مقامات کا مخصوص فعل کے ساتھ مخصوص زمانے میں ارادہ کرنا۔

☆ فاضل وفاق المدارس' ایم اے اسلامیات۔ ادارتی معاون' قرآن اکیڈمی لاہور 0321 4291904

فرضیتِ حج کی شرائط

حج کی شرائط دو قسم کی ہیں: (۱) حج کے فرض ہونے کی شرائط (۲) حج کی ادائیگی کی شرائط۔ حج ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے' بلکہ حج کے فرض ہونے کی چند شرائط ہیں جو ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

(۱) مسلمان ہونا: حج اور اسلام کی باقی عبادات کے فرض ہونے کی اولین شرط اسلام ہے۔ کسی بھی غیر مسلم پر اسلام کی کوئی عبادت فرض نہیں ہے۔

(۲) آزاد ہونا: آزادی حج کی دوسری شرط ہے' اس لیے غلام خواہ اپنی غلامی کے دنوں میں کئی حج بھی کر لے' لیکن جب وہ آزاد ہوگا تو اس کے ذمے (بشرطِ استطاعت) حج فرض ہوگا۔ اس نے غلامی کے دنوں میں جو حج کیے ہیں اُن کی حیثیت نفلی حج کی ہوگی۔

(۳) بالغ ہونا: حج کی تیسری شرط بلوغت ہے۔ اگر کوئی نابالغ حج کرتا ہے تو اس کا یہ حج نفلی شمار ہوگا اور جب وہ بالغ ہوگا تو اسے اپنا فرض حج ادا کرنا ہوگا —— نابالغ بچہ اگر اپنے والدین کے ساتھ حج پر جاتا ہے تو اس کو حج کے تمام افعال ادا کرنے چاہئیں اور اگر وہ خود حج کے افعال ادا نہیں کر سکتا تو والدین کو چاہیے کہ وہ اسے اُٹھا کر سارے افعال ادا کریں تاکہ اس بچے کا بھی (نفلی) حج ادا ہو سکے' جس کا ثواب اُس کے والدین کو ملے گا۔

(۴) عاقل ہونا: اگر کوئی شخص پاگل یا مجنون ہے تو اس کے ذمے حج فرض نہیں ہے' اس لیے کہ پاگل اور مجنون شریعت کے احکام کے مکلّف ہی نہیں ہیں' اس لیے ان پر کچھ فرض نہیں۔ البتہ اگر کوئی پاگل یا مجنون تندرست ہو جائے تو اس کے ذمے (بشرط استطاعت) حج فرض ہے۔

(۵) صاحب استطاعت و قدرت ہونا: اگر کسی شخص میں مندرجہ بالا چاروں شرائط موجود ہیں لیکن اس کے پاس مکہ مکرمہ جانے کے لیے سواری' زادِ راہ اور قدرت نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہے۔ حج کے لیے ایک شرط صاحب استطاعت و صاحب قدرت ہونا ہے۔ اس بارے میں وضاحت قرآن و حدیث دونوں میں موجود ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا گیا:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾﴾

''اور لوگوں کے ذمہ اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ اور جس نے کفر کیا تو (وہ جان لے کہ) اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔''

بہت سی احادیث مبارکہ میں بھی یہ وضاحت موجود ہے‘ مثلاً حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ فِيْ كِتَابِهٖ ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾))(۲)

’’جو شخص زادِ راہ اور سواری کا مالک ہے جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا دے اور وہ حج نہ کرے تو پھر (اللہ تعالیٰ کو) اس کی کوئی پروا نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: ’’اللہ کے واسطے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو اُس تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں۔‘‘

حج کی ادائیگی کی شرائط

جس شخص میں حج کی فرضیت کی مندرجہ بالا پانچوں شرائط پائی جائیں تو اس پر حج فرض ہے۔ اب اس حج کو ادا کرنے کا مرحلہ آتا ہے اور حج کی ادائیگی کی بھی مندرجہ ذیل چند شرائط ہیں۔ یہ شرائط جس شخص میں پائی جائیں گی اس کے ذمے خود سے حج ادا کرنا ضروری ہوگا۔ اس صورت میں یہ شخص اپنی جگہ کسی اور کو حج کے لیے نہیں بھیج سکتا۔

(۱) صحت مند ہونا: حج کی ادائیگی کی اولین شرط صحت مند اور تندرست ہونا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا بیمار ہے کہ وہ مکہ مکرمہ کا سفر نہیں کر سکتا تو اس پر خود سے حج کی ادائیگی فرض نہیں ہے۔

(۲) راستے کا پُرامن ہونا: اگر راستہ پُرامن نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اس شخص پر حج کی ادائیگی ضروری نہیں ہے‘ لیکن اب چونکہ ہوائی جہاز جیسی سفری سہولیات میسر ہیں کہ انسان ہزاروں میل کا سفر گھنٹوں میں طے کر لیتا ہے تو اب یہ شرط تقریباً معدوم ہو چکی ہے۔

(۳) عورت کے لیے شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا: مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ عورت پر حج فرض ہونے کی ایک اضافی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ شوہر یا محرم ہو۔ عورت کا بغیر شوہر یا محرم کے حج کے سفر پر جانا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ اِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ)) فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا وَخَرَجَتِ امْرَاَتِيْ حَاجَّةً، قَالَ: ((اذْهَبْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ)) (۳)

’’کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہرگز نہ ملے اور کوئی عورت ہرگز سفر نہ کرے مگر اس کے ساتھ محرم ہو‘‘۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! فلاں فلاں غزوہ میں شرکت کے لیے میرا نام لکھ دیا گیا ہے اور میری بیوی حج کی ادائیگی کے لیے نکلی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ’’جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو!‘‘

نوٹ: ہمارے معاشرے میں اس حوالے سے کافی کوتاہیاں دیکھنے میں آتی ہیں‘ مثلاً (۱) عورتیں بغیر محرم کے حج کے لیے چلی جاتیں ہیں۔ (۲) ایک عورت کے ساتھ اس کا شوہر یا محرم ہوتا ہے تو دوسری عورت اس عورت کے ساتھ چلی جاتی ہے کہ چلو ایک کے ساتھ تو محرم ہے نا‘ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ (۳) منہ بولے بھائی محرم نہیں ہوتے‘ اس لیے ان کے ساتھ حج پر جانا جائز نہیں ہے۔ (۴) پاکستانی قانون کے مطابق چونکہ عورت بغیر محرم کے نہیں جا سکتی اس لیے عورتیں گروپ لیڈر یا کسی غیر محرم کو محرم ظاہر کر کے حج پر چلی جاتی ہیں۔ ایسا کرنے میں دو گناہ لازم آتے ہیں‘ ایک غلط بیانی کا اور ایک بغیر محرم کے حج پر جانے کا۔

(۴) عورت کا عدّت میں نہ ہونا: عورت کے لیے ایک اور اضافی شرط یہ بھی ہے کہ وہ عدت میں نہ ہو۔ عدّت بھی حج کی ادائیگی کے لیے رکاوٹ ہے۔

نوٹ: یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر کوئی عورت بغیر محرم کے یا عدت کے دوران حج پر چلی جاتی ہے تو اس صورت میں اس کا فرض حج تو ادا ہو جائے گا‘ لیکن بغیر محرم کے یا دورانِ عدت سفر کرنے کا گناہ اس کے سر رہے گا۔

حجِ بدل اور اس کے احکام

حج کے حوالے سے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ آیا کسی اور کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے یا نہیں‘ اگر کیا جا سکتا ہے تو اس کے احکام کیا ہیں؟ اس حوالے سے یہ نوٹ کر لیں کہ اگر کسی شخص میں حج کی فرضیت کی تمام شرائط پائی جائیں لیکن اس میں حج کی ادائیگی کی کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو اس صورت میں یہ شخص اپنی طرف سے کسی اور کو حج کے لیے بھیج سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حج خالص بدنی عبادت نہیں‘ بلکہ مالی اور بدنی عبادات کا مجموعہ ہے‘ اس لیے اس میں کسی دوسرے کی نیابت مجبوری کی حالت میں جائز ہے۔ البتہ نماز اور روزہ چونکہ خالص بدنی عبادات ہیں‘ اس لیے ان میں کسی کی نیابت مجبوری کی حالت میں بھی جائز نہیں ہے‘ یعنی نماز یا روزہ کسی کی طرف سے ادا نہیں کیا جا سکتا۔

کسی دوسرے کی طرف سے حج کرنے کو فقہی اصطلاح میں ''حج بدل'' کہا جاتا ہے۔ حج بدل کے بارے میں چند احکام ملاحظہ ہوں:

(۱) کوئی نابالغ کسی کی طرف سے حج نہیں کرسکتا۔

(۲) جس شخص نے اپنا فرض حج ادا نہیں کیا اس کا حج بدل کے لیے جانا مکروہ ہے۔

(۳) جس شخص کی طرف سے حج کیا جارہا ہے اس کے ذمے سے فرض حج ادا ہوجائے گا۔

(۴) جس شخص پر حج فرض ہوا اور وہ فوت ہوجائے اور میراث میں اتنا مال چھوڑے کہ اس کے تیسرے حصہ سے حج ادا ہوسکے اور وہ حج کرنے کی وصیت بھی کرے تو وارثوں پر اس میت کی طرف سے حج کرنا فرض ہے۔

(۵) جس شخص پر حج فرض تھا اور وہ فوت ہوگیا مگر اس نے اتنا مال نہیں چھوڑا یا اس نے حج کرنے کی وصیت نہیں کی تو اس کی طرف سے وارثوں پر حج کرنا فرض نہیں ہے' لیکن اگر وارث اس کی طرف سے حج کرے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس میت کا فرض حج ادا ہوجائے گا۔

(۶) جس شخص پر حج فرض نہیں تھا' اگر اس کا وارث اس کی طرف سے حج کرے تو مرحوم کو اس حج کا ثواب ان شاء اللہ ضرور پہنچے گا۔

(۷) اگر کوئی اتنا بیمار ہے کہ حج کو نہیں جاسکتا یا معذور ہے اور اسے اپنے ٹھیک ہونے کی امید بھی نہیں ہے تو وہ اپنی زندگی میں ہی کسی سے حج کرا سکتا ہے۔

(۸) اگر کسی عورت میں حج کی فرضیت کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں لیکن اس کے ساتھ حج پر جانے کے لیے شوہر یا محرم نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ مرنے سے پہلے حج کی وصیت کرے یا اگر اسے محرم ملنے کا امکان نہ ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہی کسی سے حج بدل کرائے۔

(۹) اگر انسان صاحبِ استطاعت ہو تو اسے اپنے مرحوم والدین کی طرف سے حج بدل ضرور کرنا یا کسی سے کروانا چاہیے۔

(۱۰) عمرہ کی حیثیت چونکہ نفل کی ہے اس لیے عمرہ کسی کا نام لے کر بھی کیا جاسکتا ہے اور اس کا ثواب بھی کسی کو پہنچایا جاسکتا ہے۔ اس میں حج بدل کی طرح مجبوری بھی شرط نہیں ہے۔

حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے

شریعت کی رو سے پوری زندگی میں حج صرف ایک بار فرض ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی حج کرتا ہے تو اس کی حیثیت نفل کی ہوگی۔ اس حوالے سے ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا:

((یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَحَجُّوْا))

''اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے' پس تم حج کرو۔''

ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! کیا یہ ہر سال فرض ہے؟ آپؐ خاموش رہے۔ اس نے تین مرتبہ یہ سوال کیا تو تیسری بار آپؐ نے فرمایا:

((لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَّا اسْتَطَعْتُمْ))(۴)

''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو پھر حج ہر سال فرض ہوجاتا خواہ تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔''

اس حوالے سے بھی ہمارا معاشرہ افراط وتفریط کا شکار ہے۔ بعض لوگ تو ایسے ہیں جو استطاعت کے باوجود اپنا فرض حج ادا نہیں کرتے اور بعض ایسے ہیں جو ہر سال حج کے لیے جاتے ہیں۔ صاحب استطاعت لوگوں کو چاہیے کہ ہر سال خود حج پر جانے کے بجائے اپنے رشتہ داروں میں سے کسی غریب کو حج کرا دیں یا کسی غریب کی مدد کر دیں۔ یہ نفلی حج سے زیادہ ثواب کے کام ہیں۔ رہے وہ لوگ جو استطاعت کے باوجود حج پر نہیں جاتے وہ اس تاخیر کے سبب گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں' ان کو چاہیے کہ پہلی فرصت میں اپنا فرض حج ادا کریں۔

حج اصغر اور حج اکبر کی اصطلاح

اصغر کے معنی چھوٹے اور اکبر کے معنی بڑے کے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں اس حوالے سے یہ بے علمی دیکھنے میں آئی ہے کہ حج اگر جمعہ والے دن ہو تو اُس کو حج اکبر کہا جاتا ہے اور اگر جمعہ کے علاوہ باقی کسی دن ہو تو اس کو حج اصغر مانا جاتا ہے' حالانکہ شریعت اسلامی کے رو سے ایسا نہیں ہے۔ شریعت میں عمرہ کو حج اصغر اور حج (چاہے وہ کسی بھی دن ہو) کو حج اکبر کہا گیا ہے۔ اس حوالے سے ایک حدیث ملاحظہ ہو:

''حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجھے ان لوگوں کے ساتھ روانہ کیا جو قربانی والے دن مقامِ منیٰ میں اس امر کا اعلان کر رہے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کعبہ کا طواف کوئی شخص برہنہ ہو کر نہ کرے۔

اور حج اکبر قربانی والے دن ہے۔اس کو حج اکبر اس لیے کہا گیا ہے کہ (دورِ جاہلیت میں) بعض لوگ عمرہ کو حج اصغر کے نام سے موسوم کرتے تھے.....''(۵)

استطاعت کے باوجود حج میں تاخیر کرنا مناسب نہیں!

ہمارے معاشرے میں یہ کوتاہی بہت عام ہوتی جارہی ہے کہ ایک شخص میں حج کے فرض ہونے اور حج کی ادائیگی کی تمام شرائط پائی جاتیں ہیں لیکن وہ بلاوجہ حج کرنے میں تاخیر کرتا رہتا ہے۔ایسا کرنے کی سخت وعید آئی ہے۔امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے علاوہ باقی تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود حج میں تاخیر کرتا ہے تو وہ اس تاخیر کی وجہ سے گناہگار ہے۔

دوسری کوتاہی یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کی اکثریت حج کے لیے بڑھاپے کا انتظار کرتی ہے اور اس وقت حج پر جاتی ہے جب ان میں کمزوری اس قدر ہو جاتی ہے کہ حج کے مناسک ادا کرنے میں ان کو بہت تکلیف اور مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔اس حوالے سے ہمیں چاہیے کہ قدرت اور استطاعت ہوتے ہی حج کے لیے چلے جائیں اور اس معاملے میں صحت اور جوانی کو بیماری اور بڑھاپے پر ترجیح دیں۔

حج کی اقسام اور ان کی تعریف

حج کی ادائیگی کا طریقہ بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حج کی اقسام بیان کی جائیں۔حج کی تین قسمیں ہیں:

(۱) حجِ اِفراد: اِفراد کے لغوی معنی ہیں: اکیلا اور تنہا' جبکہ شرعی اصطلاح میں صرف حج کی نیت سے احرام باندھ کر حج کے افعال ومناسک ادا کرنا اور عمرہ ساتھ نہ ملانا' حج اِفراد کہلاتا ہے۔حج اِفراد کرنے والے کو ''مفرد'' کہا جاتا ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک ''حج افراد'' افضل ہے۔ (اس حوالے سے یہ یاد رکھیں کہ مفرد پر قربانی واجب نہیں' مستحب ہے' جبکہ حج کی باقی دونوں اقسام میں قربانی واجب ہوتی ہے۔)

(۲) حج قِران: قِران (ق کے کسرہ کے ساتھ) کے لغوی معنی ہیں: دو چیزوں کو باہم ملا دینا' جبکہ شرعی اصطلاح میں عمرہ اور حج دونوں کی نیت سے احرام باندھنا اور ایک ہی احرام کے ساتھ پہلے عمرہ اور پھر حج ادا کرنا اور درمیان میں احرام نہ کھولنا' حج قران کہلاتا ہے۔حج قران

کرنے والے کو ''قارن'' کہا جاتا ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حج قران افضل ہے۔

(۳) حجِ تمتّع: تمتّع کے لغوی معنی ہیں: نفع اٹھانا' جبکہ شرعی اصطلاح میں عازمِ حج کا میقات سے پہلے عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا اور عمرہ کے افعال ومناسک ادا کرنے کے بعد احرام کھول دینا اور پھر اسی سال حج کے دنوں میں حج کی نیت سے دوبارہ احرام باندھنا اور مناسک حج ادا کرنا' حج تمتع کہلاتا ہے۔حج تمتع کرنے والے کو ''مُتمتّع'' کہا جاتا ہے۔امام مالکؒ کے نزدیک حج تمتع افضل ہے۔

عمرہ کی ادائیگی کا طریقہ

برصغیر اور خاص طور پر پاکستانیوں کی اکثریت حجِ تمتّع کرتی ہے' اس لیے حج کی ادائیگی کا طریقہ بیان کرنے سے پہلے عمرہ کی ادائیگی کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے۔عمرہ کے چار ارکان ہیں' جن میں سے دو فرض اور دو واجب ہیں: (۱) سب سے پہلے عمرہ کی نیت کرتے ہوئے میقات سے احرام باندھیں اور تلبیہ کا ورد شروع کر دیں۔پاکستان سے جانے والوں کے لیے میقات ''یَلَمْلَمْ'' ہوائی جہاز جدہ پہنچنے سے پہلے گزر جاتا ہے' لہٰذا ضروری ہے کہ گھر سے روانہ ہونے سے پہلے یا جہاز میں سوار ہونے سے پہلے ایئرپورٹ پر احرام باندھ لیں۔(۲) مسجد حرام آ کر طواف کریں۔یہ دونوں ارکان فرض ہیں۔(۳) صفا و مروہ کی سعی کریں۔اور (۴) اس کے بعد حلق یا قصر کرا کے احرام کھول دیں۔یہ دونوں ارکان واجب ہیں۔یہ چاروں ارکان ادا کرنے کے بعد عمرہ مکمل ہو گیا۔

حج کی ادائیگی کا طریقہ

آٹھ ذوالحجہ سے بارہ ذوالحجہ تک حج کے مخصوص پانچ دن ہیں۔ان پانچ دنوں میں حج کے تقریباً تمام فرائض وواجبات ادا ہو جاتے ہیں۔ذیل میں ہر روز کے مناسک وافعال کو ترتیب وار بیان کیا جارہا ہے:

حج کے پہلے دن (۸ ذوالحجہ) کے افعال

☆ احرام باندھنا: ۸ ذوالحجہ کو نمازِ فجر مکہ میں باجماعت ادا کریں اور غسل یا وضو کر کے احرام باندھ لیں۔اس کے بعد احرام کے دو رکعت نفل ادا کریں۔

☆ حج کی نیت کرنا اور تلبیہ پڑھنا: احرام کے نوافل سے فارغ ہو کر حج کی نیت کریں اور یہ دعا پڑھیں: **اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ** ''اے اللہ! میں حج کی نیت کرتا ہوں / کرتی ہوں' اس کو میرے لیے آسان فرما اور اسے میری طرف سے قبول فرما''۔ اس کے بعد تلبیہ پڑھیں اور دعا کریں۔ اب احرام کی پابندیاں شروع ہو گئیں۔

☆ منیٰ روانگی اور وقوفِ منیٰ: طلوعِ آفتاب کے بعد منیٰ روانہ ہو جائیں۔ ۸ ذوالحجہ کی ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں منیٰ میں باجماعت ادا کریں۔

نوٹ: اگر کوئی شخص ۸ ذوالحجہ کو منیٰ نہیں جاتا اور مکہ مکرمہ میں ہی رہتا ہے اور یہیں سے ۹ ذوالحجہ کو عرفات کے لیے روانہ ہو جاتا ہے تو اس طرح کرنے سے مناسک حج کے حوالے سے تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی' اس لیے کہ ۸ ذوالحجہ کو منیٰ میں حج کا کوئی منسک ادا نہیں ہوتا' البتہ اس طرح کرنے سے نبی اکرم ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی ہوگی اور یہ شخص اس کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ اس لیے افضل یہی ہے کہ سنت نبوی کی پاسداری کرتے ہوئے ۸ ذوالحجہ کو منیٰ جائیں اور اگلے دن وہیں سے عرفات کے لیے روانہ ہوں۔

حج کے دوسرے دن (۹ ذوالحجہ) کے افعال

☆ منیٰ میں نمازِ فجر کی ادائیگی اور تکبیراتِ تشریق: ۹ ذوالحجہ کو نمازِ فجر منیٰ میں ادا کریں۔ ۹ ذوالحجہ کی نمازِ فجر سے ۱۳ ذوالحجہ کی نمازِ عصر تک ہر نماز کے بعد تکبیراتِ تشریق کہنا واجب ہے' اس لیے حاجی اور غیر حاجی دونوں کو چاہیے کہ وہ ہر نماز کے بعد تکبیراتِ تشریق کہیں۔

☆ میدانِ عرفات روانگی اور وقوفِ عرفہ: طلوعِ آفتاب کے بعد غسل (جو کہ سنت ہے) یا وضو کر کے تلبیہ کہتے ہوئے عرفات روانہ ہو جائیں۔ اگر کوئی نمازِ فجر کے بعد اور طلوعِ آفتاب سے پہلے عرفات کی طرف روانہ ہو گیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ زوال سے سورج غروب ہونے تک میدانِ عرفات میں وقوف کرنا حج کا سب سے بڑا رکن ہے۔ اگر کوئی حاجی زوال سے غروبِ آفتاب تک ایک لمحہ کے لیے بھی عرفات پہنچ گیا تو اس کا حج ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَلْحَجُّ عَرَفَةُ))(۶) یعنی اصل حج تو عرفہ ہی ہے۔

نوٹ: وقوفِ عرفہ کے موقع پر ''جبل رحمت'' کے پاس وقوف افضل ہے' اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے بھی اس پہاڑ کے پاس وقوف کیا تھا۔

☆ دورانِ وقوفِ عرفہ تلبیہ' دعائیں اور استغفار کرنا: یہ وقت قبولیتِ دعا کا خاص وقت ہے' اس لیے تمام وقت تلبیہ' خشوع و خضوع اور گریہ وزاری کے ساتھ دعا اور استغفار میں مشغول رہیں۔ اپنے ماضی کے گناہوں اور کوتاہیوں پر اللہ کے حضور معافی کے اور اپنے مستقبل کے لیے گناہوں سے پاک زندگی کے طالب ہوں۔ وقوفِ عرفہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے مندرجہ ذیل دعا کو بہترین دعا اور بہترین کلمہ قرار دیا ہے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۷)

☆ عرفات میں نمازِ ظہر و عصر کی اکٹھی ادائیگی: عرفات کی مسجد نمرہ میں نمازِ ظہر و عصر' ظہر کے وقت میں ایک ساتھ باجماعت ادا کریں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ امام پہلے دو خطبے دے جس میں حج کے مناسک کے بارے میں لوگوں کو آگاہی دے اور دو خطبوں کے درمیان جمعہ کے خطبوں کی طرح بیٹھے۔ خطبہ سے فارغ ہو کر مؤذن نمازِ ظہر کی اقامت کہے اور امام ظہر کی نماز پڑھائے۔ پھر مؤذن نمازِ عصر کے لیے اقامت کہے اور امام عصر کی نماز پڑھائے۔ اگر کسی نے ظہر کی نماز اپنے خیمہ میں اکیلے ادا کی تو وہ ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی ادا نہیں کرے گا بلکہ وہ ظہر کی نماز ظہر کے وقت میں اور عصر کی نماز عصر کے وقت میں ادا کرے گا۔

☆ غروب آفتاب کے وقت مزدلفہ روانگی: غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر' تلبیہ کہتے ہوئے مزدلفہ روانہ ہو جائیں۔

☆ وقوفِ مزدلفہ اور نماز مغرب و عشاء کی اکٹھی ادائیگی: مزدلفہ پہنچ کر مغرب و عشاء کی نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ عشاء کے وقت میں باجماعت ادا کریں۔ پہلے مغرب کے تین فرض ادا کریں' پھر تکبیرات تشریق اور تلبیہ پڑھیں۔ اس کے بعد ساتھ ہی عشاء کے چار فرض ادا کریں اور تکبیرات تشریق اور تلبیہ پڑھیں۔ پھر مغرب کی دو سنتیں' پھر عشاء کی دو سنتیں اور پھر وتر ادا کریں۔ اگر کسی نے مزدلفہ پہنچنے سے پہلے ہی مغرب کی نماز پڑھ لی تو اس کی نماز نہ ہوگی اور اس کے ذمے مزدلفہ پہنچ کر مذکورہ بالا ترتیب سے دوبارہ نماز پڑھنا لازم ہوگا۔

نوٹ: وقوفِ عرفہ کے دوران اگر حاجی بغیر جماعت کے اپنے خیموں میں نماز پڑھیں تو ان

کے لیے حکم ہے کہ وہ ظہر کو ظہر کے وقت میں اور عصر کو عصر کے وقت میں ادا کریں' لیکن وقوفِ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی عشاء کے وقت ہی ادا کرنی ہیں' چاہے جماعت کے ساتھ پڑھیں یا الگ الگ۔

☆ مزدلفہ میں ذکر واذکار اور دعائیں کرنا: یہ بڑی فضیلت والی اور مبارک رات ہے' اس میں زیادہ سے زیادہ ذکر و تلاوت' تلبیہ اور دُعاؤں کا اہتمام کریں۔ اس رات اپنے پروردگار کو اس خشوع وخضوع سے یاد کریں کہ دل میں اللہ ربّ العزت کے علاوہ کسی کی یاد نہ ہو۔ بالفاظِ قرآنی:

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۹۸)

''پس اللہ کو یاد کرو مسجد حرام کے نزدیک (مشعر حرام ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزدلفہ میں واقع ہے)' اور اس کو ایسے یاد کرو جیسے اُس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔''

حج کے تیسرے دن (۱۰ ذوالحجہ) کے افعال

☆ مزدلفہ میں نمازِ فجر ادا کرنا: وقوفِ مزدلفہ کی رات دعاؤں میں مشغول ہو کر گزارنے کے بعد فجر کی نماز اول وقت میں باجماعت ادا کریں۔ پھر سورج نکلنے تک ذکر واذکار' دعا و استغفار اور تلبیہ میں مشغول رہتے ہوئے وہیں وقوف کریں۔

نوٹ: مزدلفہ میں جبل قُزح کے قریب وقوف افضل ہے' اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے بھی اسی پہاڑ کے قریب وقوف کیا تھا۔

☆ مزدلفہ سے کنکریاں اُٹھانا: اس دوران مزدلفہ سے کنکریاں اُٹھائیں جو جمرات کو مارنے کے لیے استعمال کی جائیں گی۔ ہر حاجی چنے یا کھجور کی گٹھلی کے برابر ستر کنکریاں مزدلفہ سے اٹھائے۔

☆ منیٰ روانگی اور جمرۂ عقبہ کی رمی: طلوعِ آفتاب کے وقت منیٰ روانہ ہو جائیں اور منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی کریں۔ ۱۰ ذوالحجہ کو صرف بڑے شیطان کی رمی کی جاتی ہے۔ اس دن رمی کا افضل وقت طلوعِ آفتاب سے زوال تک ہے' لیکن اس کا جائز وقت ۱۰ ذوالحجہ کے طلوعِ آفتاب سے لے کر اگلے دن ۱۱ ذوالحجہ کے صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے تک ہے۔

رمی کا طریقہ: ۱۰ ذوالحجہ کو صرف بڑے شیطان کی جبکہ اگلے دونوں دن تینوں جمرات کی رمی کی

جاتی ہے۔ رمی کا سنت طریقہ یہ ہے کہ سات کنکریاں ہاتھ میں لے کر اس طرح کھڑے ہوں کہ منیٰ آپ کے دائیں جانب اور مکہ مکرمہ بائیں جانب ہو۔ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے پکڑ کر ایک ایک کنکری ستون پر مارتے جائیں (کنکر کا احاطے میں گرنا کافی ہے' ستون کو لگنا ضروری نہیں)۔ ہر کنکری مارتے وقت ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہیں اور یہ دعا پڑھیں: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا (۸) ''اے اللہ میرے حج کو قبول فرما اور میرے گناہوں کو بخش دے۔''

نوٹ: رمی کے دوران تلبیہ پڑھنا بند کر دیں اور جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی کے بعد اُس کے پاس کھڑے ہو کر دعا نہ مانگیں۔

☆ قربانی کرنا: رمی کے بعد قربانی کیجیے۔ قربانی کرنا واجب ہے۔ اس قربانی کے لیے تین دن' یعنی ۱۰' ۱۱' ۱۲ ذوالحجہ مقرر ہیں۔ ان دنوں میں جب چاہیں قربانی کر لیجیے' جبکہ پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے۔

☆ حلق یا قصر کروانا: قربانی کرنے کے بعد مرد پورے سر کے بال منڈوائیں یا پورے سر کے بال انگلی کے پور سے کچھ زیادہ کاٹیں' مگر منڈوانا افضل ہے۔ خواتین پورے سر کے بال انگلی کے پور سے کچھ زیادہ کتروائیں۔ تاہم چوتھائی سر کے بال کٹ جانے کا اطمینان ضرور کر لیں۔ حلق یا قصر کی شرعی حیثیت فرض کی ہے اور اس کے بعد سوائے ازدواجی تعلق قائم کرنے کے احرام کی باقی تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

نوٹ: ماقبل ۱۰ ذوالحجہ کے جو تین مناسک: (۱) جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی' (۲) قربانی اور (۳) حلق یا قصر ذکر کیے گئے ہیں ان کو اسی ترتیب سے ادا کرنا واجب ہے۔ اگر کسی نے اس ترتیب کے اُلٹ کیا تو اس پر دَم لازم ہوگا۔

☆ طوافِ زیارت: حلق یا قصر کے بعد غسل کیجیے۔ پھر سلے ہوئے کپڑے پہن کر یا احرام ہی کی چادروں میں مکہ جا کر طواف کیجیے۔ اس کا وقت حلق سے فارغ ہونے کے بعد ۱۲ ذوالحجہ کے غروب آفتاب تک ہے۔ افضل یہی ہے کہ ۱۰ ذوالحجہ ہی کو کر لیا جائے' ورنہ ۱۲ ذوالحجہ تک کبھی بھی کیا جا سکتا ہے۔ طوافِ زیارت کی شرعی حیثیت فرض کی ہے۔

☆ صفا و مروہ کی سعی: طوافِ زیارت اور دو رکعت نمازِ طواف سے فارغ ہو کر صفا و مروہ کی سعی کریں۔ صفا مروہ کی سعی کرنا واجب ہے۔

نوٹ: اگر حاجی نے مکہ آنے کے بعد طوافِ قدوم (یعنی استقبالی طواف) کیا اور اس طواف میں رمل (طواف کے پہلے تین چکروں میں اکڑ کر چلنا) بھی کیا اور اس کے بعد صفا و مروہ کی سعی بھی کی تو اب اس حاجی کے لیے طوافِ زیارت میں نہ تو رمل ہے اور نہ اس پر سعی واجب ہے۔ اور اگر حاجی نے مکہ آنے کے بعد طوافِ قدوم نہیں کیا تو اب وہ طوافِ زیارت میں رمل بھی کرے گا اور اس کے بعد سعی کرنا بھی اس پر واجب ہے۔

☆ منیٰ واپسی: ۱۰ ذوالحجہ کو مندرجہ بالا تمام افعال و مناسک کی ادائیگی کے بعد منیٰ واپس آجائیں اور رات منیٰ میں ہی گزاریں۔

حج کے چوتھے دن (۱۱ ذوالحجہ) کے افعال

☆ تینوں جمرات کی رمی: ۱۱ ذوالحجہ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کریں' بایں طور کہ پہلے جمرۂ اولیٰ (چھوٹا شیطان) کو سات کنکریاں ماریں' پھر اس کے پاس کچھ دیر قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعا مانگیں۔ پھر جمرۂ وسطیٰ (درمیانہ شیطان) کو سات کنکریاں ماریں اور دعا مانگیں۔ پھر جمرۂ عقبہ (بڑا شیطان) کو سات کنکریاں ماریں لیکن اس کے پاس نہ تو کھڑے ہوں اور نہ ہی دعا مانگیں۔ اس دن رمی کا سنت وقت زوال سے لے کر غروبِ آفتاب سے پہلے تک ہے جبکہ اس کا جائز وقت زوال سے صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے تک ہے۔ رمی سے فارغ ہو کر منیٰ واپس آجائیں۔

حج کے پانچویں دن (۱۲ ذوالحجہ) کے افعال

☆ تینوں جمرات کی رمی: اس دن بھی زوال کے بعد غروب آفتاب سے پہلے تینوں جمرات کی رمی کریں جس طرح گزشتہ روز ۱۱ ذوالحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کی تھی۔

۱۳ ذوالحجہ کو منیٰ رکنے اور مکہ جانے کا اختیار

☆ رکنا یا جانا: ۱۲ ذوالحجہ کو جمرات کی رمی سے فارغ ہونے کے بعد حاجی کو اختیار ہے کہ مکہ چلا جائے۔ اور اگر وہ مکہ نہیں جاتا اور واپس منیٰ چلا جاتا ہے تو اب اس کے ذمے ۱۳ ذوالحجہ کو بھی زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرنا لازم ہے (اگر طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے رمی کر لے تو بھی جائز ہے)۔ افضل یہی ہے کہ حاجی ۱۳ ذوالحجہ کو بھی منیٰ میں ٹھہرے اور تینوں جمرات کی رمی کر کے پھر مکہ واپس جائے۔ اس لیے کہ احادیث

میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۲ ذوالحجہ کو جمرات کی رمی کے بعد منیٰ واپس گئے اور پھر ۱۳ ذوالحجہ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کی اور پھر مکہ روانہ ہوئے۔

☆ مکہ واپسی پر وادیٔ محصب میں جانا: ۱۲ یا ۱۳ ذوالحجہ کو جب حاجی مکہ کی طرف واپسی کا کوچ کرے تو اس کو چاہیے کہ منیٰ اور مکہ کے درمیان وادیٔ محصب میں کچھ دیر قیام کرے' اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس جگہ پر کچھ دیر قیام کیا تھا۔ یہاں کچھ دیر قیام کرنا سنت ہے۔

طوافِ وداع

مندرجہ بالا افعال و مناسک ادا کرنے کے بعد آپ کا حج پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔ البتہ ایک طواف رہ گیا جس کا وقت مکہ مکرمہ سے رخصت ہونے کا ہے۔ اس کو طوافِ وداع کہا جاتا ہے۔ اس طواف کی شرعی حیثیت واجب کی ہے اور اس کا طریقہ عام نفل طواف کی طرح ہے' یعنی نہ اس میں رمل ہوگا اور نہ ہی اس کے بعد صفا اور مروہ کی سعی ہوگی' البتہ طواف کے دو نفل ضروری ہیں۔

حواشی

(۱) صحيح البخارى' كتاب الايمان' باب بنى الاسلام على خمس۔ وصحيح مسلم' كتاب الايمان' باب بيان اركان الاسلام۔

(۲) سنن الترمذى' ابواب الحج ' باب ما جاء فى التغليظ فى ترك الحج۔

(۳) صحيح البخارى' كتاب الجهاد والسير' باب من اكتتب فى جيش فخرجت امرأته حاجة ..... وصحيح مسلم' كتاب الحج' باب سفر المرأة مع محرم الى حج وغيره۔

(٤) صحيح مسلم' كتاب الحج' باب فرض الحج مرة فى العمر۔

(٥) صحيح البخارى' كتاب الجزية' باب كيف ينبذ الى اهل العهد۔

(٦) سنن الترمذى' ابواب الحج' باب ما جاء فيمن ادرك الامام بجمع فقد ادرك الحج۔

(٧) سنن الترمذى' ابواب الدعوات' باب فى دعاء يوم عرفة۔

(٨) مسند احمد' كتاب مسند المكثرين من الصحابة' باب مسند عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

اخذ و استفادہ

☆ اشرف الہدایہ
☆ بہشتی زیور
☆ آپ کے مسائل اور ان کا حل
☆ جدید فقہی مسائل

❁❁❁

مناسک حج، ایک نظر میں

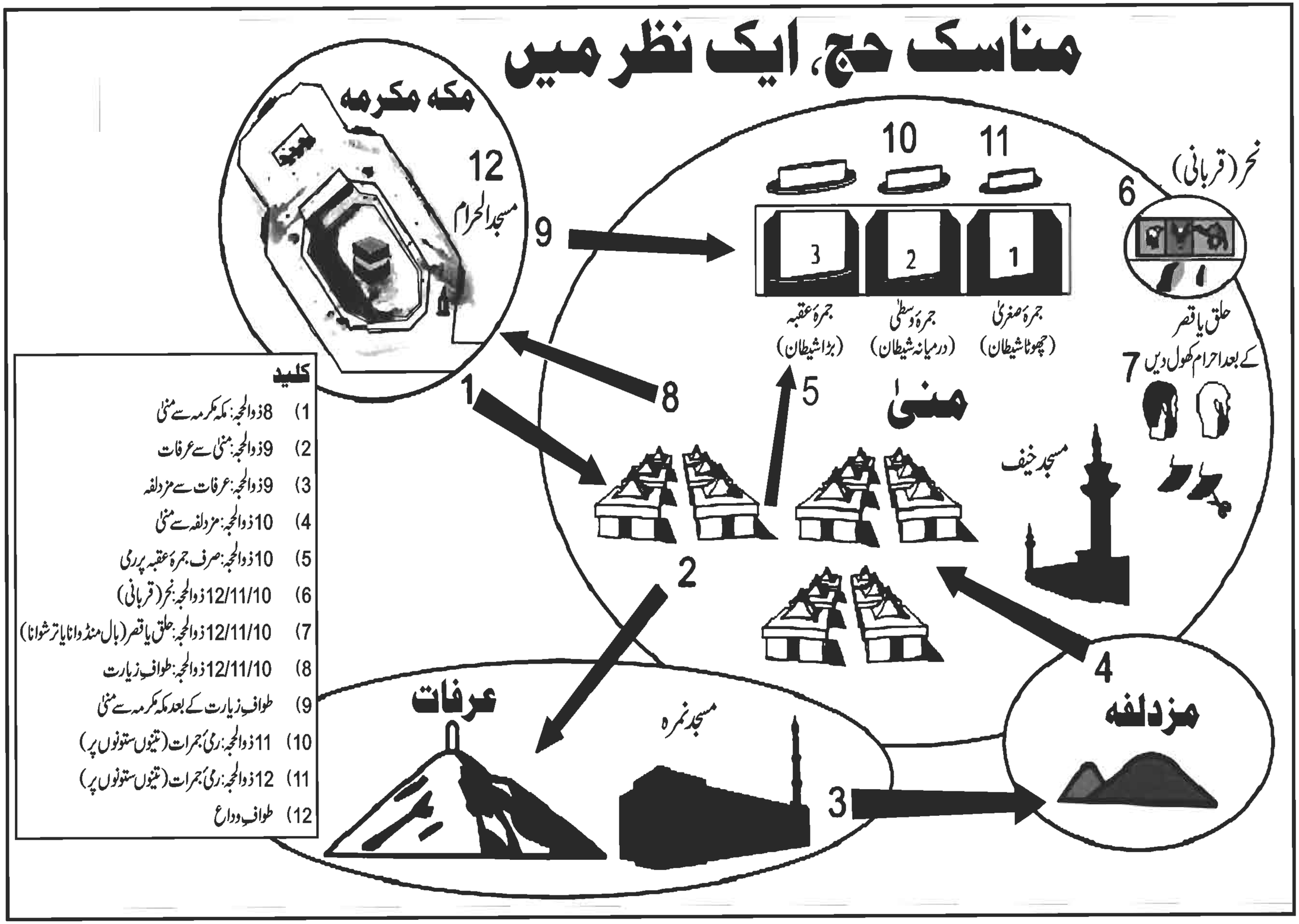

کلید

1) 8 ذوالحجہ: مکہ مکرمہ سے منیٰ
2) 9 ذوالحجہ: منیٰ سے عرفات
3) 9 ذوالحجہ: عرفات سے مزدلفہ
4) 10 ذوالحجہ: مزدلفہ سے منیٰ
5) 10 ذوالحجہ: صرف جمرۂ عقبہ پر رمی
6) 12/11/10 ذوالحجہ: نحر (قربانی)
7) 12/11/10 ذوالحجہ: حلق یا قصر (بال منڈوانا یا ترشوانا)
8) 12/11/10 ذوالحجہ: طوافِ زیارت
9) طوافِ زیارت کے بعد مکہ مکرمہ سے منیٰ
10) 11 ذوالحجہ: رمیٔ جمرات (تینوں ستونوں پر)
11) 12 ذوالحجہ: رمیٔ جمرات (تینوں ستونوں پر)
12) طوافِ وداع

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا مسلک

ڈاکٹر غلام محمد

ایک ایسے دور میں جو اہل کمال علماء وفضلاء کا دور تھا' حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے گوناگوں کمالات کی وجہ سے ایک انفرادیت حاصل تھی۔ ان کی ذات میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا عمق اور عبقریت' علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت اور محتاط فکری حریت اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت وللّٰہیت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ اسی لیے ان کو سمجھنے اور ان کے مسلک کا واضح تصور حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی کوشش میں ضروری ہے کہ نہ تو اپنے ذوق اور رنگِ نظر کو آنے دیا جائے اور نہ تنقید یا توثیقِ غیر کے خیال کو کوئی اہمیت دی جائے' بلکہ ان کو ویسا ہی دیکھا جائے' جس انداز سے وہ بزم آرا رہے۔

حضرت علامہ کی شخصیت چونکہ پہلودار ہے اس لیے ہم اختصار کے ساتھ مگر الگ الگ دیکھیں گے کہ تفسیر' حدیث' فقہ' تصوف اور اجتماعیات میں ان کا مسلک کیا تھا؟

تفسیری مسلک

حضرت علامہ کے نزدیک قرآن پاک کا سب سے یقینی اور صحیح مطلب ومفہوم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل سے متعین ہوتا ہے' اس لیے قرآن فہمی کے لیے بنیادی توجہ حدیث وسنت پر رہنی ضرری ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''قرآن خدا کا کلام ہے جو ۲۳ برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے ملک عرب میں فصیح و بلیغ عربی زبان میں خدا کے ایک برگزیدہ بندہ پر اترا۔ اس میں نظریے بھی تھے اور علمی تعلیم بھی۔ اس نے ان نظریوں کو خدا کے بندوں کو سمجھایا اور ان کی عملی تعلیمات کو عملاً کر کے اور برت کے اپنے آس پاس والوں کو دکھایا اور بتایا اور اس لیے کہ وہ اسی کلام کا پہلا مخاطب تھا اور اسی کے ذریعہ اس کلام کا مطلب دوسروں کو سمجھانا تھا۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ وہی اسلام کے مطلب کو سب سے معتبر سمجھ سکتا تھا' اور اسی

لیے اس کلام کا جو مطلب سمجھا اور اپنی تعلیم وعمل سے اس نے دوسروں کو جو سمجھایا وہی اس کا صحیح اور بے خطا مطلب اور مفہوم ہے۔ اس لیے قرآن پاک کے سمجھنے کے لیے حاملِ قرآن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی تفسیر سے بہتر قرآن کی تفسیر کا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔'' (معارف ۱۹۳۸ء)

اس کے بعد دوسری چیز زبانِ عربی' اس کے قواعد اور محاورۂ عرب سے پوری پوری آگاہی ہے' جس کے بغیر قرآن پاک کی صحیح تفسیر ممکن نہیں۔ حضرت علامہ فرماتے ہیں:

''کسی کتاب کا صحیح مطلب سمجھنے کے لیے سب سے اہم چیز اس کتاب کی زبان اور اس زبان کے قواعد کی پیروی ہے۔ یہ کسی طرح درست نہ ہوگا کہ ہم عقلیت کے جوش میں اس کتاب کے کسی فقرہ کی تشریح میں اس زبان کی لغت اور قواعد میں ایسا تصرف کریں جو ہر حیثیت سے ناجائز ہو اور ہمارے اس تصرف کا منشا صرف اتنا ہو کہ ہم اپنے استبعادِ عقلی کی تسکین کرسکیں۔'' (ایضاً)

اس کے بعد جو بات فرمائی ہے' وہ بہت غور سے سننے کی ہے' تحریر فرماتے ہیں:

''حالانکہ استبعادِ عقلی کوئی یکساں چیز نہیں اور نہ وہ خلافِ عقل کے معنوں میں ہے' عقل کی وسعت اور استبعاداتِ عقلی کی فہرست ہر زمانہ میں گھٹتی اور بڑھتی رہی ہے' اس لیے قرآن پاک کی تفسیر کا یہ معیار نہیں بنایا جاسکتا۔'' (ایضاً)

اب رہی یہ بات کہ ہر زمانے میں عقلی مسلمات بدلتے رہتے ہیں اور ان کی وجہ سے فکری فضا بدلتی رہتی ہے اور ہر دور کے لوگ اپنے زمانہ کے مؤثرات کے تحت ہی کسی بھی کلام کو سمجھنا چاہتے ہیں' اس لیے قرآن فہمی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ٹھہر سکتی' تو اس کا جواب حضرت علامہ یہ دیتے ہیں:

''فانی انسانوں کے فانی کلام اور جزئی علم رکھنے والوں کے جزئی علم' اگر ایک زمانہ میں صحیح اور دوسرے زمانہ میں غلط ہو جائیں تو ایسا ہونا بہت حد تک قرین قیاس ہے' مگر خدائے پاک کے کلام میں' جس کا علم ازل سے ابد تک کو محیط ہے' اس قسم کا تصور بھی ذہن میں نہیں لایا جاسکتا۔ اس لیے اگر مخلص اہل علم اور نیک نیت علماء اس کلام کی مزید تشریح اپنے زمانہ کے مؤثرات کے مطابق اس طرح کرسکیں کہ وہ متکلم کے اصولِ متواترہ' مخاطبِ اوّل صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم اور زبان کی لغت وقواعد کے خلاف نہ ہوں تو ان کی یہ سعی مشکور ہوگی۔ اسی بنا پر جب سے مسلمانوں میں عقلیت کا رواج ہوا اس نظر سے بھی قرآن پاک کی تفسیریں لکھی گئیں۔ معتزلہ میں ابومسلم اصفہانی کی تفسیر اور قاضی عبدالجبار معتزلی کی تنزیہ القرآن اور اہلِ سنت میں امام ابومنصور ماتریدی کی

تاویلات اور امام ابن فورک کی مشکلات القرآن' امام محمد غزالی کی جواہر القرآن اور سب سے آخر میں امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر اپنے اپنے زمانہ کے مؤثرات کی بہترین ترجمان ہیں۔'' (ایضاً)

''اپنے اپنے زمانہ کے مؤثرات کی بہترین ترجمان'' کا جملہ خوب ذہن نشین رہے' کیونکہ اسی بنیاد پر علامہ مرحوم آخر حیات تک یہی فرماتے تھے' کہ قرآن کی ''بہترین'' تفسیر کسی بھی تفسیر کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہی جواب انہوں نے عین مرضِ وفات میں اُس وقت کے سفیرِ شام متعینہ پاکستان کو بھی دیا تھا جب سفیر صاحب نے ان سے یہ پوچھا تھا کہ قرآن پاک کی سب سے اچھی تفسیر کون سی ہے؟

حضرت علامہ کے تفسیری مسلک کے سلسلہ میں ایک اور اہم بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ وہ الفاظِ قرآنی کے مراد ظاہری سے عدول کو روا نہیں رکھتے تھے۔ میرے استاد حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو قرآنی آیات سے اعتبارات' صوفیانہ نکات اور آیات کے نتائج قیاسی نکالنے کا خاص ذوق تھا' اور اس کے اثر سے اس عاجز کی طبیعت بھی اس نہج کے نکتوں اور چٹکلوں کو پڑھ کر جھوم جاتی ہے۔ مگر جب جب ایسی کوئی بات میں نے حضرت علامہ سے نقل کی تو سختی سے متنبہ فرمایا کہ الفاظ قرآنی کے ''ظاہر مراد'' سے عدول نہ ہونا چاہیے۔ نیز خود قرآنی مراد کو معلوم کرنے کے لیے ایک ہی لفظ کے جتنے استعمالات قرآن پاک میں آئے ہیں' ان سب کا احاطہ کر کے اس کی مراد کو متعین کرنا چاہیے' مثلاً قرآن پاک میں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''خاتم النبیین'' کہا گیا ہے (الاحزاب:۴۰)' تو اب دیکھنا چاہیے کہ لفظ ''خَاتم'' قرآن پاک میں کس کس معنی میں بولا گیا ہے' تاکہ ختم نبوت کا قرآنی مفہوم متعین ہو سکے۔ چنانچہ دیکھا جائے تو یہ لفظ یا تو اس معنی میں بولا گیا ہے کہ کسی چیز کو اس طرح بند کر دینا کہ باہر کی چیز اندر نہ جا سکے' جیسے ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ (البقرۃ:۷) (یعنی رسول کی بات دل میں نہیں جا سکتی) یا پھر اس معنی میں بولا گیا ہے کہ کسی چیز کو اس طرح بند کر دینا کہ اندر کی چیز باہر نہ نکل سکے' جیسے ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ﴾ (یٰسٓ:۶۵) (یعنی حشر کے دن کافروں کے دل کی کوئی بات منہ سے باہر نہ نکل سکے گی)۔ یا پھر یہ لفظ ان دونوں معنوں کی یکجائی کے ساتھ بولا گیا ہے' جیسے ﴿خِتٰمُهٗ مِسْكٌ﴾ (المطففین:۲۶) (یعنی جنتیوں کو جو شراب کی بوتل ملے گی اس پر مشک کا ختام ہوگا' جو اس بات کی ضمانت ہوگی کہ اس بوتل کو اس طرح بند کر دیا گیا ہے کہ اب اس میں نہ تو اندر کی چیز باہر آ سکتی ہے نہ باہر سے کوئی چیز اس کے اندر داخل ہو سکتی ہے)۔ بس ان تین

استعمالات کے سوا لفظ ''خَاتم'' کا کوئی اور استعمال قرآن پاک میں نہیں ملتا' اس لیے ''خَاتم النبیین'' کا قرآنی مفہوم صاف یہ نکل آیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی میں نبیوں کے ''خَاتم'' بنائے گئے ہیں کہ آپ سے پہلے جو زمرۂ نبوت میں داخل ہو چکے ان میں سے کوئی بھی زمرۂ نبوت سے خارج تصور نہیں کیا جا سکتا اور آپ کے بعد باہر سے اب کوئی اس زمرۂ مقدسہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

سبحان اللہ! یہ ہے فہم قرآن اور ﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ﴾ کا تازہ اعجاز۔

اور یہ تو ایک مثال ہے' سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضخیم مجلدات کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو علامہ فہامہ کا یہ مسلک وذوقِ تفسیری جگہ جگہ نمایاں نظر آئے گا۔ ع تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل!

اب ایک آخری بات تفسیری مسلک کے سلسلہ میں یہ عرض کرنی ہے کہ ''متشابہاتِ قرآنی'' کے بارے میں حضرت علامہ کا مسلک قدمائے اہل سنت والجماعت والا مسلک تھا کہ خدا کی ذات وصفات اور دیگر عقائد کے متعلق قرآن پاک نے جو کچھ بیان کیا ہے یا پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ تواتر جو کچھ ثابت ہے اس پر ایمان رکھتے ہوئے اپنی عقل وقیاس اور استنباط سے اس کی تشریح کرنا صحیح نہیں۔ گویا حضرت علامہ کے نزدیک ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (اس کا منشا ومفہوم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا) ایک حقیقتِ اعتقادیہ ہے' جس سے یہ مسلک بنا کہ ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ﴾ (اٰل عمران:۷) یعنی جو پختہ علم ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ بس ہم اس پر ایمان لائے کہ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ بالفاظِ دیگر متشابہات کے معاملہ میں حضرت علامہ تشبیہہ کے قائل تھے مگر تنزیہہ کے ساتھ۔ وہ یَد، قَدَم، اِستَوٰی وغیرہ کی کوئی تاویل نہیں فرماتے تھے' مگر ان میں کی ہر حقیقت کو لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کے وصف سے متصف جان کر ہر تشبیہہ کو تصورِ انسانی سے پاک اور رسائی فہم سے وراء الوریٰ سمجھتے تھے۔

حدیثی مسلک

قرآن پاک کے بعد دین کی دوسری اہم اصل حدیث نبوی ہے۔ قرآن وحدیث کے باہمی ربط اور نزاکت ارتباط کو حضرت علامہ نے ایک وجد آفریں جملہ میں یوں ادا فرمایا ہے:

''علمِ قرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علمِ حدیث شہ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء وجوارح تک خون پہنچا کر ہر آن اُن کے لیے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتا رہتا ہے۔'' (تعارف' تدوین حدیث از مولانا گیلانیؒ)

حدیث پڑھنے پڑھانے والے علماء بحمداللہ ہر دور میں بہت زیادہ رہے ہیں اور رہیں گے‘ مگر جو خود مزاج اور رنگِ سنت کا مرقع ہوں‘ ایسے محدث خال خال ہی ملیں گے۔ حضرت علامہ اسی فہرست کے فردِ فرید تھے۔ ان کی تاریخ دانی کا شہرہ خود ہی ان کے مفسّرانہ اور محدّثانہ کمالات کا حجاب بنا ہوا تھا۔ اس پر اداراتی تعصب نے ان کے معاصرین کے ہاتھوں اس کو ایک دیوار بنا کر کھڑا کر دیا‘ ورنہ سیرۃ النبی ﷺ خصوصاً اس کی جلد سوم‘ سیرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا اور خطباتِ مدراس کا ایک غیر جانبدار پڑھنے والا اور فن حدیث کا واقف کار علامہ کے جلیل القدر محدث اور ماہر فن و رجال ہونے کا انکار کیسے کر سکتا ہے؟ حضرت علامہ محدث تھے اور ان کا حدیثی مسلک احتیاط اور حزمِ محدثانہ پر مبنی تھا۔ وہ اس وقت بھی اس معاملہ میں سخت تھے جب باضابطہ حلقۂ طریقت میں داخل نہیں ہوئے تھے اور اس وقت بھی ویسے ہی مستحکم رہے جب وہ شیخ طریقت مانے گئے۔ اکثر صوفیاء کرام اپنے ذوق یا وجدان کے سہارے بعضے مقولوں کو حدیث کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔ ادھر حضرات علماء اپنے موضوعہ اصول کی بنا پر ’’فضائل‘‘ میں توسیع اختیار کر کے ضعیف ترین احادیث کو اپنی تصانیف میں فراخی کے ساتھ شامل رکھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے۔ مگر حضرت علامہ کا مسلک کسی پہلو سے بھی ان گنجائشوں کا متحمل نہیں تھا۔ وہ فرماتے تھے —— اور اس وقت ان پر خوف چھا جاتا تھا —— کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد سن کر:

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) (بخاری)

’’جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے گا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کر لے۔‘‘

میرا دل لرز جاتا ہے کہ مبادا کوئی قول ایسا حضور ﷺ کی طرف منسوب ہو جائے جو آپ نے نہ فرمایا ہو اور اس کی وجہ سے اس وعید کا مورد بننا پڑے۔ راقم الحروف نے حضرت علامہ کا منشا یہ سمجھا کہ حزم و احتیاط کے سبب کوئی ارشادِ نبوی نقل سے رہ جائے تو اس پر تو کسی عتاب و عقاب کا اندیشہ نہیں‘ مگر غلط انتساب سے تو جہنم مول لینا ہوگا‘ العیاذ باللہ! اسی لیے دیکھا اور بارہا دیکھا کہ قبولِ حدیث میں علامہ نے کبھی عرفی دباؤ بھی قبول نہیں فرمایا۔ میرے سامنے کی بات ہے کہ ایک مولوی صاحب نے حضرت علامہ سے سوال کیا کہ کیا اقطاب و ابدال کا موجود ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے؟ علامہ نے فرمایا کہ نہیں‘ البتہ بہ کثرت بزرگوں کی کشفی تصدیقات ملتی ہیں‘ اور وہ کافی ہیں۔ اس پر انہوں نے تعجب سے مکرر عرض کیا کہ احادیث میں بھی اس کا ذکر نہیں؟ حضرت علامہ نے اپنی طبعی نرم مزاجی سے دوبارہ فرمایا ’جی نہیں‘ کوئی صحیح

اور قوی حدیث ایسی نہیں ملتی۔ اس پر ان مولوی صاحب نے دباؤ ڈالنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ حضرت مولانا تھانویؒ (جو حضرت والا کے پیر طریقت تھے) نے تو ’’تعلیم الدین‘‘ میں تائیدی حدیثیں تحریر فرمائی ہیں۔ حضرت علامہ کو ان کا یہ غیر عالمانہ طرز ناگوار ہوا اور قدرے چیں بہ جبیں ہو کر فرمایا: ’’حضرت رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے‘ میں نے تو نہیں لکھا‘ آپ مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں!‘‘ پھر جب یہ صاحب چلے گئے تو احقر کو مخاطب کر کے یہی فرمایا کہ میاں کیا کروں‘ میرا تو دل لرز جاتا ہے کہ کوئی قول حضور ﷺ کی جانب ایسا منسوب ہو جو آپؐ کا ارشاد نہ ہو۔

اَقطاب و اَبدال والی بات تو خیر ایسی اہمیت کی نہیں مگر ’’ظہورِ مہدی‘‘ کے بارے میں تو ہمارے عام محدثین حتیٰ کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تک نے کئی حدیثیں اپنے رسالہ میں تحریر فرمائی ہیں‘ مگر حضرت علامہ نے اپنے مسلک احتیاط کی بناء پر یہاں بھی بہ تمام ادب ان اکابر سے الگ ہو رہنا ہی گوارا فرمایا۔ میرے سامنے کی بات ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے ’’ظہورِ مہدی‘‘ سے متعلقہ حدیثی روایات کے بارے میں علامہ سے دریافت کیا تو علامہ نے صاف فرما دیا کہ ان روایات میں ایک روایت بھی مجھے ایسی نہیں ملی جس میں کوئی نہ کوئی راوی شیعی نہ آ گیا ہو۔ اس لیے یہ روایات ساقط الاعتبار ہیں۔

جہاں تک درس و تعلیم حدیث کا تعلق ہے میں نے یہ بات بہ صراحت حضرت علامہ سے پوچھی تھی کہ کتب احادیث تو سب وہی ہیں پھر فلاں اور فلاں مدرسہ کی تعلیم حدیث میں فرق کیا ہے؟ فرمایا کہ فلاں مدرسہ میں حدیث کو حدیث کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے اور فلاں مدرسہ میں حدیث کو حنفی کر کے پڑھایا جاتا ہے۔ اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت علامہ یہ چاہتے تھے کہ حدیث پڑھاتے وقت کسی بھی فقہی مذہب کے تحفظ ذہنی کے بغیر اقوال نبوی کے منشأ کو پانے کی کوشش کرنی چاہیے‘ درس حدیث میں اس بات کی طرف التفات نہ رہنا چاہیے کہ کس حدیث سے کس فقہی مذہب کی تائید ہو رہی ہے اور کون سی روایت کس کے خلاف جا رہی ہے۔ یہ کام تو فقہ کے درس میں کرنے کا ہے۔

رہی بات ادب و تعظیم حدیث کی‘ اس کا اندازہ ایک چھوٹے سے واقعہ سے لگائیے۔ ایک مرتبہ حضرت علامہ کی مجلس میں ایک صاحب نے بالکل موضوع حدیث نقل کر دی۔ میں بے صبری سے کہہ پڑا کہ یہ ’’حدیث غلط‘‘ ہے‘ حالانکہ وہ حضرت علامہ سے مخاطب تھے اور پھر حضرت علامہ ہی نے انہیں سلیقہ سے غلطی پر متنبہ فرمایا۔ جب وہ صاحب چلے گئے تو علامہ نے

اس ادب ناشناس کو مخاطب کر کے نہایت نرمی سے فرمایا کہ روایت غلط سہی‘ انتسابی نسبت کا احترام تو ضروری ہے‘ ایسے موقع پر توقف کر کے یوں کہنا چاہیے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد نہیں یا حضور ﷺ کا ارشاد ایسا نہیں ہے‘ اللہ اکبر‘ کیا پاسِ ادب ہے!

فقہی مسلک

حضرت علامہ کے فقہی مسلک کے بارے میں اہلِ علم مختلف نظر آتے ہیں‘ بعضے ان کو غیر مقلد سمجھتے ہیں اور بعضے مقلد۔ جو غیر مقلد سمجھتے ہیں وہ اس لیے ہے کہ علامہ کی تحریروں میں جامد تقلیدی رنگ نظر نہیں آتا اور جو ان کو مقلد خیال کرتے ہیں وہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے علامہ کو ہمیشہ حنفی طرز پر نماز پڑھتے دیکھا یا تقلید کے خلاف ان کے قلم یا زبان سے کوئی بات نہیں سنی۔ مجھ بے استحقاق کو بحمد اللہ حضرت علامہ کے قرب وصحت کی سعادت حاصل رہی ہے اور ان کی تصانیف کو بغور دیکھا ہے‘ اس لیے صحیح صورت حال سے یقینی آگاہی ہے‘ اور وہ یہ ہے کہ مقلد ہی تھے مگر ان کا تقلیدی رنگ وہ تھا جو دورِ تابعین کے بعد سے اسلام کی چوتھی صدی کے ختم تک رہا‘ کہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ ؒ عوام تک کسی خاص شخص کی فقہ کے پابند نہ تھے اور خواص کا طرزِ تقلید یہ تھا کہ:

> ’’اُن کو کسی مسئلہ میں کسی اور چیز کی حاجت نہیں رہتی تھی اور ان کے پاس بہت سی احادیث مستفیضہ تھیں‘ جن پر بعض فقہاء عمل کر چکے تھے..... اگر تعارض نقل اور وجہ ترجیح ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے کسی مسئلہ میں ان کا دل مطمئن نہ ہوتا تھا تو گزشتہ فقہاء میں سے کسی کے کلام کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے۔ اور اگر اس مسئلہ میں فقہاء کے دو قول ان کو ملتے تو ان میں سے جو زیادہ قابل اعتماد ہوتا‘ اس کو وہ اختیار کرتے تھے‘ خواہ وہ قول اہل مدینہ کا ہو یا اہل کوفہ کا۔‘‘ (حجۃ اللّٰہ البالغہ‘ جلد اوّل‘ باب حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ وبعدھا)

چنانچہ حضرت علامہ نے تراجم علمائے اہل حدیث مؤلفہ ابو یحییٰ امام خان نوشہری پر جو مقدمہ تحریر فرمایا ہے‘ اس میں اپنی بابت رقم طراز ہیں:

> ’’میں سنت کا پیرو اور توحید خالص کا معتقد ہوں‘ سنت کو دلیلِ راہ مانتا ہوں اور علماء کے لیے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھلا جانتا ہوں اور حق کو ائمہ سلف میں کسی ایک میں منحصر نہیں سمجھتا۔ اس پر آپ مجھے جو چاہیں سمجھ لیں۔‘‘

یہ تحریر ۱۳ صفر ۱۳۵۷ھ کی ہے اور علامہ کا سن وفات ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ تھا‘ گویا

وفات سے تقریباً پندرہ برس قبل کا یہ اظہار ہے۔ مگر اس سے واضح تر تحریر جو اپنے مسلک فقہی کی صراحت ہی کے لیے علامہ نے لکھی تھی وہ ۲۱ شعبان ۱۳۴۸ھ کے اس مکتوب میں ملتی ہے جو انہوں نے حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی ؒ کے نام تحریر فرمایا تھا‘ وہ یہ ہے:

> ’’فقہ میں متاخرین کا متبع نہیں مگر اہل حدیث بالمعنی المتعارف نہیں ہوں‘ ائمہ ؒ کا دل سے ادب کرتا ہوں اور کسی رائے میں کلیۃً ان سے عدول حق نہیں سمجھتا۔‘‘
>
> (تذکرہ سلیمان‘ ص ۸۹)

اس توضیح کے بعد علامہ کے فقہی مسلک میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا۔ رہی یہ بات کہ یہ مسلک اہل نظر کی نگاہ میں علامہ جیسے صاحب خیر ونظر کے لیے کیسا ہے؟ تو اس کے لیے حضرت مولانا تھانوی ؒ کی تصدیق ملاحظہ ہو‘ حضرت ممدوح کی جوابی تحریر ہے:

> ’’جناب نے جو بے تکلف اپنا مسلک تحریر فرما دیا اس سے میری عقیدت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو گیا دو وجہ سے‘ ایک صدق وخلوص پر دال ہونے سے‘ دوسرے خود مسلک کے پاکیزہ ہونے سے۔ تمام اہل حق کا یہی مسلک ہے‘ کسی جزئی تفاوت سے حقیقت نہیں بدلتی صرف رنگ بدلتا ہے‘ چنانچہ اس احقر پر..... دوسرا رنگ ہے کہ میں بوجہ اپنی قلت روایت ودرایت کے متاخرین کا بھی متبع ہوں۔‘‘ (ایضاً)

غرض گو اکثر امور میں حضرت علامہ حنفی مذہب ہی کے پیرو تھے‘ رفع یدین نہیں کرتے تھے‘ تراویح میں بیس رکعت کا التزام تھا‘ مگر ساتھ ہی قراءت فاتحہ خلف الامام اور ناگزیر صورت میں جمع بین الصلاتین پر بھی ان کا عمل تھا۔ اسی طرح فتویٰ لکھنے میں بھی شد ومد سے ایک مسلک کے پابند نہ تھے۔ اس سلسلہ کا ایک چشم دید دلچسپ واقعہ سنیے اور اس سے حکمت سلیمانی کا اندازہ لگائیے۔ ایک انگریز میاں بیوی مشرف بہ اسلام ہوئے‘ چند ہی دنوں میں آپس کی ناچاقی میں شوہر نے بیوی سے ایسے کلمات کہہ ڈالے کہ مذہب حنفی کی رو سے طلاق مغلظہ واقع ہو گئی۔ یہ ماجرا ان کے ایک مسلمان دوست عزیز نے سنا تو انہوں نے شوہر سے کہا کہ تمہارا تو نکاح ہی فسخ ہو گیا۔ اب نومسلم میاں بیوی بھی پریشان اور ان کے دوست بھی حیران۔ احتیاطاً ان دوست نے بعض معتبر مفتیوں سے رجوع کیا‘ مگر جواب ہر جگہ سے طلاق قطعی ہی کا ملا۔ پھر وہ حضرت علامہ کی خدمت میں آئے‘ سارا ماجرا سنایا۔ علامہ نے فرمایا کہ بھئی مفتی صاحب (یعنی حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ) سے پوچھیے۔ انہوں نے عرض کیا‘ کہ وہاں سے تو یہی جواب ملا۔ علامہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا تو آپ کا جی کیا چاہتا ہے کہ جواب برعکس ملے؟

اس پر وہ چپ ہو رہے۔ تب علامہ نے ان سے فرمایا کہ آپ ایک استفتاء لکھ کر کل مفتی صاحب کے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں لائیے' مجھے جو کچھ لکھنا ہے' میں وہیں لکھ دوں گا۔ چنانچہ دوسرے روز جلسہ جب ختم ہوا اور مخصوص علماء' جن میں حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور خود حضرت میزبان ممتاز ترین تھے' چائے نوشی کے لیے ایک کمرہ میں بیٹھ گئے تو علامہ نے ان صاحب سے استفتاء لے کر ایک ایک کو دکھلایا۔ متفقہ جواب یہ تھا کہ ''طلاق واقع ہوگئی''۔ پھر حضرت علامہ نے اپنے قلم سے اس پر فتویٰ یہ تحریر فرمایا کہ ''اہل سنت والجماعت میں مسلک اہلِ حدیث کی رو سے طلاق واقع نہیں ہوئی' رجوع کرا دیا جائے''۔ (لفظی تعبیر ممکن ہے' غالب یادداشت یہی ہے۔) پھر علماء کرام کو یہ جواب دکھاتے ہوئے فرمایا کہ وہ نومسلم بے چارے تو ابھی نہ حنفی ہیں اور نہ شافعی لہٰذا قانون میں کوئی گنجائش بھی نکلتی ہو تو اس کا فائدہ انہیں ملنا چاہیے۔ اس پر حضرت مفتی محمد حسن ؒ نے برملا فرمایا کہ یہ جواب حضرت ہی لکھ سکتے تھے' ہم چونکہ فقہ حنفی کے مفتی ہیں اس لیے نہیں لکھ سکتے۔ پھر مفتی اعظم پاکستان نے بھی اس قول کی تائید فرمائی۔

ایک اور بات' اکثر فقہاء نے مدات زکوٰۃ والی آیت ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ.....﴾ (التوبۃ:۶۰) میں فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ سے مراد صرف جہاد بالسیف لیا ہے اور لِلْفُقَرَاءِ کے لام کو لامِ تملیک قرار دیا ہے۔ حضرت علامہ کے نزدیک یہ تحدیدات درست نہیں' فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ میں ہر دینی کام شامل ہوسکتا ہے اور لِلْفُقَرَاءِ کے لام کو لامِ انتفاع لینا چاہیے۔ سیرۃ النبی ﷺ جلد پنجم میں اس مقام پر یہ بصیرت افروز حاشیہ سپردِ قلم فرمایا ہے:

''اکثر فقہاء نے فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ سے مراد صرف جہاد لیا ہے مگر یہ تحدید صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ ابھی آیت گزر چکی ہے ﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ (البقرۃ:۲۷۳)۔ اس سے بالاتفاق صرف جہاد نہیں بلکہ ہر نیکی اور دینی کام مراد ہے۔ اکثر فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک یعنی کسی شخص کی ذاتی ملک بنانا ضروری ہے' مگر ان کا استدلال جو لِلْفُقَرَاءِ کے لام تملیک پر مبنی ہے' بہت کچھ مشتبہ ہے' ہوسکتا ہے کہ لامِ انتفاع ہو' جیسے ﴿خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ (البقرۃ:۲۹)۔''

علامہ کی یہ توضیح فرنگی دورِ غلامی میں چاہے ہمارے علماء کے لیے ناقابل اعتناء رہی ہو' مگر آج پاکستان میں ترویج زکوٰۃ کے مرحلہ پر اس کی اہمیت اور افادیت پر اگر توجہ نہ دی گئی ہو تو محض ایک روایتی تعبیر پر اصرار کی وجہ سے صرف زکوٰۃ کا دائرہ اپنے ہاتھوں آپ محدود ہو کر رہ

جائے گا اور دوسری طرف اہل مدارس کی چلائی ہوئی ''حیلہ تملیک'' کی قباحت کو قانونی تحفظ حاصل ہو جائے گا' فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ!

صوفیانہ مسلک

حضرت علامہ کا گھرانہ خانوادۂ نقشبندیہ سے منسلک تھا اور خود علامہ کی ابتدائی روحانی تربیت ان کے برادر بزرگ سید ابوحبیب ؒ کے زیر اثر ہوئی تھی جو قطب وقت شاہ ابواحمد بھوپالی ؒ کے خلیفہ اور ذوقِ اتباعِ سنت میں مثال تھے۔ لازماً اتباعِ سنت کا یہ نکھرا ہوا ذوق علامہ کے قلب و دماغ نے بھی قبول کیا۔ دوسری طرف علامہ شبلی نعمانی ؒ نے اپنے اس جواں عمر شاگردِ عزیز کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمایا کہ بقول حضرت سلیمان ''اپنی زندگی میں اور اپنی زندگی کے بعد بھی بہ شکل وصیت' سرورِ کائنات' فخرِ موجودات' رحمتِ عالم' سید اولاد آدم محمد رسول اللہ ﷺ کی سرکارِ اقدس میں' جہاں وہ سب سے آخر پہنچے تھے' سب سے اوّل پہنچایا۔'' (حیاتِ شبلی نعمانی)

راست اتباع نبوی کا یہ ذوق متوجہ بہ تصوف ہو کر اور زیادہ تیز ہو گیا تھا' اس کا اظہار اپنے پہلے عریضہ میں مرشد تھانویؒ سے ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ علیہما اور ان کے سلسلہ سے عقیدتِ تامہ رکھتا ہوں' خرافات و طامات صوفیہ کا دل سے منکر ہوں' صالح نہیں لیکن صلاحِ حال کا دل سے خواستگار ہوں۔'' (تذکرۂ سلیمان' ص ۸۹)

حضرت اقدس تھانویؒ نے درمیانی جملہ کی بابت اپنے رنگ کا اظہار یوں فرمایا کہ:

> ''صوفیہ کے احوال و اقوال کو محتمل تاویل سمجھتا ہوں۔ الثمن تحقق بطلانهم بالقطع'' (ایضاً)

بہرحال اس نقشبندی جوہر کا چشتی اشرفی بھٹی کی آگ میں پھنک کر جو کشتہ تیار ہوا تو اس میں ایک انفرادیت اور صوفیانہ مسلک کا وہ نکھار پیدا ہوا کہ وہ ٹھیک سلف اولین والی جلاء سے مجلّی ہو گئے۔ حضرت علامہ کے مسلک احسانی کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں:

(۱) وحدۃ الوجود ہو کہ وحدۃ الشہود' ان میں سے کوئی چیز مدارِ طریق نہیں۔ بعض حال کا درجہ رکھتے ہیں (جیسے وحدۃ الوجود والشہود) اور بعض محض افلاطونی فلسفہ کی متبدل شکلیں ہیں (جیسے تنزلاتِ ستہ) لہٰذا ان کی طرف توجہ نہ ہونی چاہیے۔

(ب) صرف توحید تنزیہی مطلوب ہے' تشبیہ کا انکار نہ ہو مگر تشبیہ میں بھی تنزیہہ کا اقرار رہے (کہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ)

(ج) توحید افعالی پر تمام تر توجہ مرکوز رہنی چاہیے۔ قرآن پاک نے سارا زور توحید افعالی پر دیا ہے‘ یہی توحید ذاتی تک رسائی کا محفوظ زینہ ہے۔

(د) کثرتِ وظائف و اوراد کے بجائے ہر عمل میں اتباعِ سنت اور ہر عمل سے متعلقہ ادعیہ ماثورہ کی پابندی پر توجہ مرکوز رہے‘ اسی سے وصول الی اللہ حاصل ہوتا ہے۔

(ہ) مصطلحاتِ صوفیانہ سے گریز اور قرآنی و حدیثی اصطلاحات پر اکتفاء رہے (جیسے خشوع‘ خضوع‘ تقویٰ‘ خشیت‘ ذکر‘ فکر‘ احسان وغیرہ)

(و) ساری توجہ لطیفہ قلب پر مرکوز رہے‘ کہ یہی قرآن و حدیث میں مذکور ہے اور ذکر مفرد مع الحضور کی کثرت سے رسوخ اور دوامِ حضور حاصل کیا جائے۔

(ز) محاسبۂ نفس کی ہمہ قتی مشق اور اہتمام تادم آخر قائم رہے۔

اب آخری بات جو تصحیح فہم کے نقطۂ نظر سے اولین اہمیت کی چیز ہے کہ حاصل تصوف کیا ہے؟ اس کو خود حضرت علامہ کی زبانِ عارفانہ میں سنیے‘ اپنے شاگرد عزیز مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کو ایک والا نامہ میں تحریر فرما رہے ہیں:

’’ہر عمل میں طلب رضا کا شعور پیدا ہونا یہی اس طریق کا حاصل ہے اور جب خدا اور بندے کے درمیان یہ علاقہ استوار ہو جاتا ہے تو صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو ’’نسبت‘‘ کہتے ہیں اور قرآن پاک کی زبان میں اس کی تعبیر یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے لفظوں میں کی گئی ہے۔ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ انہی کے لیے نوید بشارت ہے۔‘‘ (مکاتیب سلیمانی مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی)

اجتماعیاتی مسلک

سب جانتے ہیں کہ حضرت علامہ خالص علمی و تحقیقاتی کاموں کے لیے جوانی ہی سے خود کو وقف فرما چکے تھے۔ ان کی اسی فنائیت علمی کا ثمرہ ہے کہ ان کی حیات ہی میں دارالمصنفین کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل چکا تھا۔ اس کے باوجود ہر دیکھنے والا یہ بھی دیکھتا ہے کہ وہ ۱۹۱۵ء میں مسلم لیگ کے اوّلین اجلاس میں بمبئی میں اور پھر اس کے دوسرے اجلاس منعقدہ دہلی میں شریک ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں مجلس علمائے بنگلہ منعقدہ کلکتہ کی صدارت فرما رہے ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت میں علمائے ہند کی تنہا نمائندگی یورپ میں فرما رہے ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں صوبہ بہار کی خلافت کانفرنس

کے اجلاس میں کرسی صدارت کو زینت بخشے ہوئے ہیں۔ ۱۹۲۴ء میں حجاز اور مصر پہنچ کر ابن سعود اور شریف حسین میں کامیاب مصالحت کرا رہے ہیں۔ ۱۹۲۶ء میں جمعیت علماء ہند کے تاریخی سالانہ اجلاس منعقدہ کلکتہ کی زمامِ صدارت ہاتھ میں لیے علماء کرام کو سمت عمل کی صحیح نشاندہی فرما رہے ہیں۔ ادھر ’’الہلال‘‘ کی ضیا پاشیوں میں نور کی کتنی تابناکیاں ہیں جو اسی آفتاب علم کی رہین منت ہیں۔ پھر تحریک پاکستان کے بھونچالی دور میں وہی صاحب نظر ہے جو بظاہر الگ تھلگ مگر خاموشی سے ’’اسلام کا سیاسی نظام‘‘ اپنی نگرانی میں مرتب کروا کے لیگیوں کے حوالے کر رہا ہے۔ پھر جب پاکستان بن چکا تو اس کی دعوت پر ۱۹۵۰ء میں یہاں آ کر علامہ ہی کی فعالیت ہے جو مراحل دستور سازی اور تشکیل قانون اسلامی میں کارفرما نظر آتی ہے۔ دوسری سمت دیکھئے تو وہی بالواسطہ دھیمے دھیمے جماعت اسلامی کی ہائی کمان کو جادۂ حق پر لانے کی حکیمانہ کوشش فرما رہے ہیں۔ کبھی دیکھئے تو وہی ہیں جو شان فقر لیے تبلیغی جماعت کے اجتماعات میں نم دیدہ دست بہ دعا دکھائی دے رہے اور زعمائے تبلیغ کو وسعت فکر و عمل کی وصیت کر رہے ہیں۔ غرض خلوت پسندی اور اجتماعی جدوجہد میں عجیب دلکش و دلفریب ربط پیدا کیے ہوئے ہیں۔ یہی حضرت علامہ کے اجتماعی مسلک کا امتیاز ہے جو دراصل قرآن پاک کی دو آیات پر اپنی اساس قائم کیے ہوئے تھا۔ ایک تو:

﴿تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (المائدۃ: ۲)

(یعنی ہر تقویٰ اور نیکی کے معاملہ میں تعاون۔)

اور دوسرے:

﴿لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا○﴾ (الدھر: ۹)

(یعنی اپنی خدمات میں مخلوق کی طرف سے جزا یا قدردانی کے صلہ سے بے نیازی۔)

اسی لیے حضرت علامہ کے مسلک اجتماعی میں بڑی ہمہ گیری تھی۔ ان کا اجتماعیاتی مسلک آویزش و محاذ آرائی کی تلخیوں سے پاک‘ منصب و جاہ کی حرص اور نمود و شہرت کی نفسانی خواہشات سے منزہ تھا۔ یہاں کسی خاص جماعت میں نہ انضمام تھا نہ کسی سے انقطاع‘ بلکہ انضمام و انقطاع کے درمیان ’’بے غرض تعاون‘‘ تھا جو صرف اُمت محمدیہ سے محبت اور اس کی دلسوزی کے محرکات اور صرف اور صرف رضائے الٰہی کی طلب کے اضطرابِ قلبی کا نتیجہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی ہزار ہا رحمتیں اور پیہم نوازشیں ہوں ایسے پاکیزہ مسلک سید الملت والدّین حضرت علامہ سید سلیمان ندوی (قدس سرہٗ) کی رُوح پُرفتوح پر۔ ❁❁❁

امام بخاریؒ اوران کی جامع صحیح

عبدالرشید عراقی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی محمد بن اسماعیل' ابوعبداللہ کنیت' امام المحدّثین اور امیر المؤمنین فی الحدیث لقب تھا: شجرۂ نسب یہ ہے: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ — مغیرہ فارسی النسل تھے اور اپنا قومی مذہب رکھتے تھے۔ مغیرہ حاکم بخارا (ایمان جعفی) کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئے۔ اسی نسبت سے جعفی کہلائے' ورنہ جعف خاندان سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ (۱)

امام بخاری کے دادا ابراہیم بن مغیرہ کی زندگی کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ البتہ امام بخاری کے والد اسماعیل بن ابراہیم بڑے پایہ کے محدث تھے۔ ان کی کنیت ابوالحسن تھی۔ امام مالک (م ۱۷۹ھ) کے تلمیذ اور صحبت یافتہ تھے۔ امام اسماعیل بڑے پاکیزہ نفس اور نہایت محتاط تھے۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطانی المصری (م ۹۲۳ھ) نے اپنی شرح صحیح بخاری (ارشاد الساری) کے مقدمہ میں احمد بن حفص کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں امام اسماعیل کی وفات کے وقت ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ ''میں اپنے حاصل کردہ مال میں ایک درہم بھی مشتبہ نہیں پاتا''۔ ابن حفص کہتے ہیں: **فتصاغرت الیّ نفسی عند ذلك** ''یہ سن کر میرا نفس ذلیل ہو گیا''۔ (۲)

امام بخاری نے اپنے والد کے حالات اپنی کتاب تاریخ کبیر میں لکھے ہیں اور اپنے والد محترم کے فضل وکمال پر فخر کیا ہے (۳)۔ مولانا عبدالسلام مبارک پوری (م ۱۳۴۲ھ) فرماتے ہیں:

> ''امام بخاری میں علاوہ دیگر فضائل اور مفاخر کے ایک فخر اور فضل یہ بھی تھا کہ باپ اور بیٹے دونوں محدث اور صاحب فضل تھے۔ یہ فخر اہل اسلام میں چیدہ لوگوں کو حاصل ہوا۔'' (۴)

امام بخاری کی والدہ بڑی عابدہ اور صاحب کرامات تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا' عاجزی کرنا اور ذکر اذکار کرنا ان کا روزانہ کا عمل تھا۔ امام بخاری کی صغرسنی میں آنکھیں خراب ہو گئیں جس سے بینائی جاتی رہی۔ اطباء علاج سے عاجز آ گئے۔ امام صاحب کی والدہ محترمہ

روزانہ بڑی عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے بیٹے کی بینائی کی واپسی کے لیے دعا کرتی تھیں۔ آخر ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ وہ فرما رہے ہیں کہ تمہارے رونے اور دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول کر لی ہے اور تمہارے بیٹے کی بینائی درست ہو گئی ہے۔ چنانچہ صبح اٹھ کر دیکھا کہ امام بخاری بینا ہو گئے تھے۔ (۵)

ولادت اور ابتدائی حالات

امام بخاری ۱۳/ شوال نماز جمعہ کے بعد ۱۹۴ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ امام صاحب کے والد محترم امام اسماعیل بن ابراہیم' جبکہ امام بخاری ابھی کم سن ہی تھے' انتقال کر گئے تھے۔ اس لیے امام بخاری کی تربیت اور نشوونما ان کی والدہ محترمہ نے کی۔ ۱۶ سال کی عمر میں امام بخاری نے امام عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع کی کتابوں کو حفظ کر لیا تھا۔ پھر ان کی والدہ محترمہ ان کو اور ان کے بڑے بھائی کو ساتھ لے کر حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے مکہ معظّمہ تشریف لے گئیں۔ حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد ان کی والدہ محترمہ اپنے بڑے بیٹے کے ہمراہ واپس بخارا آ گئیں' لیکن امام صاحب مکہ معظّمہ ہی میں ٹھہر گئے۔ مکہ میں ان کا قیام دو سال رہا۔ پھر آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس چاندنی راتوں میں قضایا الصحابہ والتابعین اور التاریخ الکبیر تصنیف کیں۔ (۶)

سماع حدیث کے لیے سفر

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ۲۱۰ھ میں سماع حدیث کے لیے سفر کا آغاز کیا اور اس سلسلہ میں شام' مصر' جزیرہ' حجاز مقدس' کوفہ' بصرہ' بغداد' نیشاپور تشریف لے گئے اور ہر جگہ اس شہر کے اساطین فن سے استفادہ کیا۔ (۷)

اساتذہ وشیوخ

امام بخاری کے اساتذہ وشیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کا خود بیان ہے:

كتبت عن الف و ثمانين نفسا ليس فيهم الاصاحب الحديث (۸)

''میں نے ۱۰۸۰ آدمیوں سے حدیثیں لکھیں' ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو محدث نہ ہو۔''

تلامذہ

امام بخاری کے تلامذہ اور مستفیدین کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ ان کے شاگرد امام فربری (م ۳۳۰ھ) کا بیان ہے کہ امام بخاری سے براہِ راست ۹۰ ہزار آدمیوں نے جامع صحیح کو سنا تھا (۹)۔ مشہور تلامذہ میں چند ایک حسب ذیل ہیں:

(۱) امام مسلم بن حجاج (م۲۶۱ھ)
(۲) امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م۲۷۹ھ)
(۳) امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی (م۳۰۳ھ)
(۴) امام محمد بن یوسف المعروف امام فربری (م۳۳۰ھ)
(۵) امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی (م۲۵۵ھ)
(۶) امام صالح بن محمد جزرہ (م۲۹۳ھ)
(۷) امام محمد بن نصر مروزی (م۲۹۴ھ)
(۸) امام ابوحاتم رازی (م۲۷۷ھ)
(۹) امام ابراہیم الحربی
(۱۰) امام ابوبکر بن ابی عاصم الحافظ الکبیر (م۲۸۷ھ)
(۱۱) امام محمد بن اسحاق ابن خزیمہ (م۳۱۱ھ)
(۱۲) امام ابوجعفر بن ابی حاتم وراق (کاتب البخاری)
(۱۳) امام ابوعبداللہ حسین بن اسماعیل المحاصلی (م۳۳۰ھ)
(۱۴) امام ابواسحاق ابراہیم بن معقل النسفی

حافظہ

امام بخاری فطرتاً نہایت قوی الحافظہ تھے۔ فطرت کی اس فیاضی سے انہوں نے فن حدیث کی تحصیل میں بہت فائدہ اٹھایا۔ استاد سے جو حدیث سنتے فوراً یاد کر لیتے۔ حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''کتابت سے انسان کی فطری قابلیت کم ہو جاتی ہے اور محض کتابوں پر اعتماد کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ (۱۱)

اپنے حافظہ کے بارے میں امام صاحب خود فرماتے ہیں کہ ''مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں اور جامع صحیح کو میں نے ۶ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے۔'' (۱۲)

امام صاحب کے حافظہ کا مشہور واقعہ ہے جو بغداد کے علماء نے آپ کا امتحان لیا اور سب علماء نے آپ کے علم و فضل کا اعتراف کیا۔

علم و فضل

علم و فضل کے اعتبار سے امام بخاری جامع الکمالات تھے۔ ان کے اساتذہ، تلامذہ اور معاصرین نے امام صاحب کے علم و فضل، جلالتِ علمی اور علومِ اسلامیہ میں صاحبِ کمال ہونے

کا اعتراف کیا ہے۔ حافظ ابن حجر (م۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ ''امام بخاری کی مدح میں اگر متاخرین کے اقوال نقل کیے جائیں تو کاغذ اور روشنائی ختم ہو جائے۔ **فذلك بحر لا ساحل له** ع ''سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے!'' (۱۳)

امام بخاری کا مسلک

امام بخاری کے مسلک کے بارے میں علمائے اسلام میں اختلاف ہے۔ کبار محدثین کے ساتھ ہمیشہ یہ معاملہ رہا ہے اور یہی معاملہ امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری کے ساتھ بھی ہوا۔ علامہ تقی الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں اور مولانا سید نواب صدیق حسن خان نے ابجد العلوم میں ان کو شافعی لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ امام بخاری کے نزدیک مباحث فقہیہ کا غالب حصہ امام شافعی کے مسلک سے ماخوذ ہے۔ حافظ ابن قیم **اعلام الموقعین** میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری حنبلی تھے، لیکن علامہ طاہر الجزائری نے **توجیه النظر** میں لکھا ہے کہ امام بخاری مجتہد مطلق تھے۔ جو مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری فیض الباری میں فرماتے ہیں:

> ''صحیح بخاری کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ امام بخاری بلاشک وشبہ مجتہد مطلق تھے۔ اور یہ شہرت کہ آپ شافعی تھے اور آپ نے مسائل مشہورہ میں امام شافعی کے مسلک کی پیروی کی ہے صحیح نہیں ہے۔'' (۱۴)

تصانیف

امام بخاری کی تصانیف کی مجمل فہرست حسب ذیل ہے: (۱) **الجامع الصحیح** (۲) **الادب المفرد** (۳) **التاریخ الکبیر** (۴) **التاریخ الاوسط** (۵) **التاریخ الصغیر** (۶) **خلق افعال العباد** (۷) **جزء رفع الیدین** (۸) **قراءۃ خلف الامام** (۹) **بر الوالدین** (۱۰) **کتاب الضعفاء** (۱۱) **الجامع الکبیر** (۱۲) **التفسیر الکبیر** (۱۳) **کتاب الاشربة** (۱۴) **کتاب الهبة** (۱۵) **کتاب المبسوط** (۱۶) **کتاب الکنی** (۱۷) **کتاب العلل** (۱۸) **کتاب الفوائد** (۱۹) **کتاب المناقب** (۲۰) **کتاب اسامی الصحابة** (۲۱) **کتاب الوحدان** (۲۲) **کتاب قضایا الصحابة والتابعین** (۱۵)

وفات

امام بخاری نے شب عید الفطر ۲۵۶ھ سمرقند میں رحلت فرمائی۔ عمر ۶۲ سال تھی۔ (۱۶)

الجامع الصحیح

امام بخاری کی تصانیف میں سب سے عظیم الشان تصنیف ''الجامع الصحیح'' ہے جو عوام وخواص میں صحیح بخاری کے نام سے مشہور ومعروف ہے' لیکن اس کا پورا نام ''الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ ﷺ وسننه وایامه'' ہے۔ حدیث کی جس کتاب میں آٹھ قسم کے مضامین بیان کیے جائیں ان کو جامع کہا جاتا ہے۔ اور وہ آٹھ قسم کے مضامین یہ ہیں: (۱) سیر (۲) آداب (۳) تفسیر (۴) عقائد (۵) فتن (۶) احکام (۷) اشراط (۸) مناقب۔

اس تصنیف میں اہتمام

امام بخاری نے یہ کتاب ۱۶ سال میں مکمل کی اور اس کو تین بار تصنیف کیا۔ خود فرماتے ہیں: قد صنفت کتبی ثلاث مرات۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں: کانه اراد بالتکریر التنقیح یعنی تنقیح وتہذیب تین بار فرمائی۔ (۱۷) امام بخاری نے اپنی اس عظیم الشان کتاب کو کس شہر میں تصنیف کیا' اس بارے میں محدثین کی مختلف آراء ہیں۔ علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں کہ: ''ابن طاہر نے کہا ہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کو بخارا میں تصنیف کیا۔ بعض نے بصرہ شہر کا نام لکھا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مدینہ منورہ میں تصنیف ہوئی۔'' (۱۸)

لیکن امام بخاری کا خود اپنا بیان ہے کہ ''میں نے الجامع الصحیح کو مسجد حرام میں تصنیف کیا۔ اور ہر حدیث کو درج کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر کے دو رکعت نماز پڑھتا تھا اور جب اس کی صحت پر پورا انشراح ہو جاتا تھا اس وقت حدیث کو کتاب میں جگہ دیتا تھا۔'' (۱۹)

الجامع الصحیح کے مقام تصنیف کے بارے میں جو متعدد مقامات بیان کیے جاتے ہیں ان کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ''تصنیف کا ابتدائی خاکہ اور ترتیب ابواب تو مسجد حرام میں لکھ لیے تھے اور مختلف مقامات احادیث کی تخریج فرماتے رہے۔ تراجم ابواب کے مسودہ کو روضۂ مبارک اور منبر شریف کے درمیان مبیضہ میں تبدیل فرمایا۔'' (۲۰)

الجامع الصحیح کی مقبولیت

الجامع الصحیح البخاری کے محاسن وفضائل علمائے اسلام نے بے شمار بیان کیے ہیں جن کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں: کتاباهما اصح الکتب بعد کتاب اللّٰه العزیز' ثم ان کتاب البخاری اصح الکتابین صحیحا واکثر فوائد۔ یعنی

کتاب اللہ کے بعد ان دونوں (صحیح بخاری ومسلم) کتابوں کا درجہ ہے۔ پھر صحیح بخاری کا مرتبہ صحت اور کثرت فوائد کے لحاظ سے ممتاز ومقدم ہے۔ (۲۱) حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ''صحیح بخاری پڑھنے سے قحط سالی دور ہو جاتی ہے اور اس کی برکت سے بارش کا نزول ہو جاتا ہے۔ (۲۲)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ ''جو شخص اس کتاب کی عظمت کا قائل نہ ہو وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے''۔ (۲۳)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ''صحیح بخاری کو جو شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔'' (۲۴)

صحیح بخاری کی خصوصیات

امام بخاری جب جمع حدیث کی طرف متوجہ ہوئے تو انہیں بے انتہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے دیکھا کہ احادیث جس قدر مرتب ہوئی ہیں وہ محض روایات کا ایک مجموعہ ہیں' ان میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا۔ امام صاحب نے اپنے پیش نظر یہ رکھا کہ میں صحیح احادیث کا ایک مجموعہ تیار کروں۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

> ''امام بخاری پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس التزام اور صحت سے حدیث کا ایک مجموعہ تیار کیا۔ اس لحاظ سے یہ جس قدر اہم تھا اسی قدر دشوار تھا۔ امام صاحب نے نہایت کوشش اور جانکاہی سے اول لاکھوں حدیثیں جمع کیں' پھر نہایت دقت نظر سے ان پر نقادانہ نظر ڈالی اور اصول وقواعد کے ساتھ ان میں سے دس ہزار حدیثیں منتخب کیں اور ترتیب وار ایک جلد میں جمع کیا۔'' (۲۵)

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ انجاز الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> ''امام بخاری کا اصل مقصد احادیث میں مختصر کتاب جمع کرنے کا تھا' ساری احادیث کو یکجا کرنا مقصود نہ تھا۔ نہ سارے راوی اور نہ ہی ساری احادیث جمع کرنا مقصد تھا۔ انہوں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث بیان کی ہیں۔ جو صحیح احادیث درج نہیں کیں وہ ان سے زیادہ ہیں جو درج کی ہیں۔ صحیح بخاری کی تالیف کا ایک اور باعث بھی ہوا تھا کہ امام بخاری نے خواب میں دیکھا کہ یہ نبی اکرم ﷺ سے اپنے ہاتھ سے پنکھا ہلا کر مکھیاں دور کر رہے ہیں تو علمائے کرام نے اس کی تعبیر یہ کی کہ امام صاحب نبی اکرم ﷺ کی احادیث کا دفاع کریں گے۔'' (۲۶)

امام بخاری نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' میں ابواب بندی کے ذریعہ صحیح احادیث کا اندراج کیا ہے۔ علاوہ ازیں بھی اس کتاب میں کئی امور کا خیال رکھا ہے۔ اس کی احادیث میں تکرار بھی ہے' اختصار بھی ہے۔ ابواب کے عنوانات (تراجم) میں بھی احادیث کے ٹکڑے شامل کیے ہیں اور معلق احادیث وابواب بھی ہیں۔ یعنی سند حذف کر کے روایات بیان کرتے ہیں۔

صحیح بخاری کے تراجم ابواب

امام بخاری کے پیش نظر جس طرح احادیث صحیحہ کی تخریج ہے اسی طرح وہ ان سے بہت سے مسائل کا استنباط واستخراج بھی فرماتے ہیں اور ایک حدیث کو کئی جگہوں پر نقل کرتے ہیں۔ جیسے حضرت عائشہ ؓ کی وہ حدیث جو حضرت بریرہؓ کے واقعہ سے متعلق ہے' اس کو بیس مرتبہ سے زائد نقل کیا ہے۔ علمائے اسلام کا مشہور مقولہ ہے **فقه البخاری فی تراجمه** ''بخاری کا سارا فقہی کمال ان کے تراجم میں ہے۔''

الجامع الصحیح کا مقصودِ اعظم

امام بخاری کا اصل مقصود اگرچہ احادیث صحیحہ کی تدوین ہے' مگر ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ترتیب احادیث میں فقہی فوائد کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس لیے صحیح بخاری کی ترتیب فقہی ابواب اور مسائل کے موافق رکھی گئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

''امام بخاری کی اصل غرض احادیث کے ذخیرہ میں سے صحیح ومستفیض ومتصل کا انتخاب ہے۔ اور فقہ وسیرت اور تفسیر کو بھی استنباط کیا ہے۔ اور اخذ حدیث میں جو شرط انہوں نے مقرر کی تھی وہ بدرجہ کمال پوری کی ہے۔''(۲۷)

کتب احادیث میں الجامع الصحیح البخاری کا مقام

الجامع الصحیح البخاری کو صحاح اور تمام کتب احادیث پر ترجیح حاصل ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ:

''تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری صحت اور دیگر فوائد کے لحاظ سے صحیح مسلم پر فائق ہے''۔(۲۸)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

لا یوازیه فیه غیره لا صحیح مسلم ولا غیره

''صحیح بخاری کا صحیح مسلم یا اور کوئی کتاب مقابلہ نہیں کر سکتی۔''(۲۹)

امام شافعی (۲۰۴ھ) سے یہ روایت نقل کی گئی ہے:

ما اعلم فی الارض کتابا اکثر صوابا من کتاب مالك وفی لفظ عنه مابعد کتاب الله اصح من موطا مالك

''روئے زمین پر امام مالک کی کتاب سے بڑھ کر میرے علم میں کوئی کتاب نہیں ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کتاب اللہ کے بعد موطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔''

لیکن امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''امام شافعی کا یہ فیصلہ دونوں کتابوں (صحیح بخاری ومسلم) کے وجود میں آنے سے پہلے کا ہے۔ امام شافعی کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ اس وقت امام بخاری کی عمر دس سال کی تھی اور امام مسلم کا سن ولادت ۲۰۴ھ ہے۔''(۳۰)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''صحیح بخاری ومسلم وموطا کی حدیثیں نہایت صحیح ہیں۔ اور موطا کی اکثر روایات مرفوعہ صحیح بخاری میں موجود ہیں۔''(۳۱)

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانبازؒ فرماتے ہیں:

''امام بخاری نے کتاب کو ابواب پر تصنیف کیا ہے جنہیں فقیہہ اور مجتہد بروئے کار لاتا ہے اور فقہی استنباط کا انداز ملتا ہے۔ جامع صحیح عام سنتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ فتنوں اور زہد کے متعلق احادیث بھی اس میں ہیں۔''(۳۲)

تعدادِ روایات

الجامع الصحیح البخاری میں دس ہزار احادیث ہیں جو ۶ لاکھ حدیثوں سے منتخب کر کے درج کی گئیں۔ کتاب میں ۳۴۵۰ ابواب ہیں اور ۱۱۰ کتب ہیں۔ ان شیوخ کی تعداد جن سے امام صاحب نے صحیح بخاری کی احادیث لی ہیں ۲۹۹ ہے۔(۳۳)

الجامع الصحیح کی تکمیل

جب صحیح بخاری مکمل ہوگئی تو امام صاحب نے اپنے اساتذہ امام علی بن مدینی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہما کی خدمت میں اس غرض سے پیش کیا کہ ان بزرگوں کی نظر ثانی سے مزین ہو جائے' لیکن امام بخاری کی احتیاط اور تنقید نے **الجامع الصحیح** کو اس درجہ اصح مرتب کیا

تھا کہ صرف چار حدیثوں کو انہوں نے اس قابل بتایا کہ **الجامع الصحیح** سے خارج کر دی جائیں۔ اگرچہ وہ چار حدیثیں بھی دراصل صحیح ہیں۔ (۳۴)

حواشی

(۱) ابن حجر، تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۱۵۰۔
(۲) خطیب قسطلانی، مقدمہ ارشاد الساری۔
(۳) ابن حجر، مقدمہ فتح الباری، ص ۴۷۸۔
(۴) عبدالسلام مبارک پوری، سیرت البخاری، ص ۴۲۔
(۵) ابن حجر، مقدمہ فتح الباری، ص ۴۵۸۔
(۶) ایضاً، ص ۴۷۹۔
(۷) ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج ۲، ص ۱۳۴۔
(۸) ابن حجر، مقدمہ فتح الباری، ص ۴۷۹۔
(۹) خطیب قسطلانی، مقدمہ ارشاد الساری، ص ۳۳۔
(۱۰) عبدالسلام مبارک پوری، سیرت البخاری، ص ۴۰۷ تا ۴۴۶۔
(۱۱) ابن حجر، مقدمہ فتح الباری، ص ۴۷۸۔
(۱۲) ایضاً، ص ۴۷۸۔
(۱۳) ابن حجر، مقدمہ فتح الباری، ص ۴۸۵۔
(۱۴) تقی الدین سبکی، طبقات الشافعیہ، ج ۲، ص ۱۱۔ نواب صدیق حسن خان، ابجد الکلام، ص ۸۱۰۔ ابن حجر، فتح الباری، ج ۱، ص ۱۲۳۔ ابن قیم، اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۲۲۶۔ طاہر الجزائری، توجیہ النظر، ص ۱۰۵۔
(۱۵) عبدالسلام مبارک پوری، سیرت البخاری، ص ۱۶۶ تا ۱۷۶۔
(۱۶) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۳۴۔
(۱۷) ملا علی قاری، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۳۔
(۱۸) بدرالدین عینی، عمدۃ القاری، ج ۱، ص ۵۔
(۱۹) خطیب قسطلانی، ارشاد الساری، ج ۱، ص ۲۰۔
(۲۰) ابن حجر، مقدمہ فتح الباری، ص ۴۹۱۔
(۲۱) ابن صلاح مقدمہ ابن صلاح۔

(۲۲) خطیب قسطلانی، ارشاد الساری، ج ۱، ص ۲۹۔
(۲۳) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۲۹۷۔
(۲۴) ایضاً، ج ۱، ص ۳۵۰۔
(۲۵) ضیاء الدین اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، ج ۱، ص ۲۱۴۔
(۲۶) محمد علی جانباز، انجاز الحاجہ، شرح سنن ابن ماجہ (مقدمہ)۔
(۲۷) شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۱۵۱۔
(۲۸) مقدمہ شرح صحیح مسلم، ص ۱۱۔
(۲۹) البدایہ والنہایہ، ج ۱۱، ص ۲۸۔
(۳۰) تقی الدین ندوی مظاہری، محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۵۳، ۱۵۴۔
(۳۱) شاہ عبدالعزیز دہلوی، عجالہ نافعہ، ص ۶۔
(۳۲) محمد علی جانباز، انجاز الحاجہ، شرح سنن ابن ماجہ، (مقدمہ)۔
(۳۳) ضیاء الدین اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، ج ۱، ص ۳۱۳، ۳۱۴۔
(۳۴) ایضاً، ص ۲۲۱۔

"قرآن کی تلاوت ایسے کرو جیسا کہ یہ نازل کیا گیا ہے۔" (الحدیث)

تحسین القرآن

ایک ایسا منفرد قاعدہ جو پختہ عمر طلبہ کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے مرتب کیا گیا ہے۔
یہ قاعدہ حروف تہجی کے مخارج اور ان کی جداگانہ صفات کا فہم پہچانتے ہوئے قرآن مجید کی مثالوں کے ذریعے تلفظ کی درستگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، تاکہ اہلِ ایمان غلطیوں کی نشان دہی کے ذریعے تلاوت کرتے ہوئے لحنِ جلی یعنی واضح غلطی کے گناہ سے اجتناب کر سکیں۔

صفحات: 78 ہدیہ: 50 روپے

ملنے کا پتہ: طیبہ بک سنٹر، بڑا بازار، صدر راولپنڈی فون: 051-5563705
ناشر: ادارہ تدبر قرآن وحدیث، اسلام آباد
فون: 0303-4508302 ای میل: ahmed_cite@yahoo.com

علمِ نفسیات ذہنی مسائل کا حل ہے؟

مولانا عصمت اللہ☆

انسان سے مراد کیا ہے؟ مادی جسم یا اس کے علاوہ کچھ اور بھی اس میں شامل ہے؟ مذہب کے قائل لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ انسان دراصل روح ہے۔ مادی جسم روح کے لیے اپنے اظہار کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ درست ہے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ روح کو جسم پر فوقیت حاصل ہے اور یہ بھی کہ روحانی ضروریات جسمانی تقاضوں سے زیادہ اہم ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ الٰہیات کے قائل نہیں بلکہ مادیات تک محدود ہیں' ان کی نظر میں روح کی کوئی حقیقت نہیں' انسان مادی جسم تک محدود ہے۔ مطلب یہ کہ مادی حصہ پر تو اتفاق ہے' لیکن مذہبی عناصر کو روح کے وجود کے لیے ثبوت پیش کرنا ہوگا۔ درج ذیل سطور میں اس سے متعلق دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) انسانی علم محدود ہے' ہر چیز تک اس کی علمی رسائی ممکن نہیں۔ خود انسانی جسم کے بارے میں انسان کا علم بہت ہی معمولی ہے۔ چنانچہ موت کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں۔ یہی حال خواب کا ہے۔ مشہورِ عالم ماہر حیاتیات ڈاکٹر الکسیس کاریل جنہوں نے فرانس کے شہر لیون سے ڈاکٹری اور ویجون سے سائنسی علوم میں ڈگری حاصل کی' کئی سال تک ویجون یونیورسٹی میں تدریس کے بعد امریکہ چلے گئے اور نیویارک کے روکفلر انسٹیٹیوٹ میں علمی تحقیقات کے سلسلے میں تیس سال تک کام کیا۔ اپنے جدید ترین نظریات میں ہر قسم کی تنقید سے بالاتر ہیں۔ ان کو گرانقدر طبی خدمات کے صلہ میں نوبل پرائز دیا گیا۔ ان کی تصنیفات میں ایک مشہور تصنیف کا نام ہے ''انسان نامعلوم''۔ اس کتاب کے مقدمہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''میں نے علم جراحت سے لے کر خلیہ کی فزیالوجی اور مابعد الطبیعیات تک مختلف مضامین کا مطالعہ کیا ہے۔ نوعِ انسانی نے انسان کی پہچان حاصل کرنے کے لیے کافی کوششیں کی ہیں' مگر اس کے باوجود ہم گویا چند سایوں کے پیچھے لپک رہے ہیں جن کے دامن میں ایک نامعلوم حقیقت پنہاں ہے۔ فی الحقیقت ہم انسان کے بارے میں بڑی گھمبیر جہالت میں مبتلا ہیں۔''

نوعِ انسانی کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے جو عام سے سوالات آتے ہیں ان کا بھی کوئی جواب نہیں مل پاتا۔ انسان کے جسم کے بارے میں جب اتنے لمبے عرصے میں اتنے جدید وسائل کی موجودگی میں ہماری معلومات اتنی محدود ہیں تو انسانی روح کے بارے میں کیا معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ قرآن کا فرمان ہے: ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ (الاسراء:۸۵)

(۲) انسان میں چند خواہشات ایسی ہیں جن کی تکمیل کے لیے وہ ہر وقت کوشاں رہتا ہے' مگر ان خواہشات کا تعلق جسم سے نہیں۔ مثلاً علم حاصل کرنے کی خواہش' شہرت حاصل کرنے کی آرزو' عزت کے حصول کی تمنا اور سب سے بڑھ کر عبادت کے لیے معبود کی خواہش۔ مذکورہ خواہشات کی شدت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کی خاطر انسان اپنے جان و مال دونوں قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ ان خواہشات کو اتنی اہمیت دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا تعلق اتنی ہی اہم چیز یعنی روحِ انسانی کے ساتھ ہے۔ ان کے وجود سے روح کا وجود ثابت ہوتا ہے۔

(۳) انسان اپنی ملکیت کے بارے میں کہتا ہے یہ میری ہے' مثلاً یہ جائیداد میری ہے' یہ گاڑی میری ہے' یہ دوکان میری ہے' بالکل اسی طرح وہ اپنے جسم اور جسمانی اعضاء کے بارے میں بھی کہتا ہے کہ یہ میرے ہاتھ ہیں' یہ میرے پاؤں ہیں' یہ میری آنکھیں ہیں اور جسم کے بارے میں کہتا ہے یہ میرا بدن ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہاتھ' پاؤں' آنکھ اور بدن خود ملکیت ہے تو مالک پھر کون ہے؟ جواب ہے روح' یعنی مالک روح ہے۔

(۴) انسان کا جسم خلیوں پر مشتمل ہے' ان میں تعمیر و تخریب کا عمل مسلسل جاری ہے۔ پرانے خلیے ختم ہوتے ہیں' ان کی جگہ نئے خلیے لے لیتے ہیں۔ آج انسان جن خلیوں پر مشتمل ہے تین سال کے بعد یہ سب ختم ہو جاتے ہیں' ان کی جگہ نئے خلیے لے لیتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر ایک نیا انسان وجود میں آجاتا ہے۔ ایک انسان آج ایک اچھا کام کرتا ہے' بیس سال بعد اس کام پر فخر کرتا ہے اور لوگ بھی اس کا کریڈٹ اس کو دیتے ہیں۔ یا کوئی غلط کام کرتا ہے اور بیس سال بعد اس پر ندامت کا اظہار کرتا ہے' معاشرہ اسے ملامت کرتا ہے۔ اگر معاملہ عدالت میں ہو تو وہ اسے گرفتار کرنے کے بعد سزا بھی سناتی ہے۔ اب یہ بات واضح ہے کہ مذکورہ اچھا یا برا کام موجودہ جسم یا بدن نے نہیں کیا ہے' بلکہ مذکورہ کام کرنے کے بعد اس کا بدن تقریباً چھ مرتبہ

☆اسسٹنٹ پروفیسر (اسلامیات)' گورنمنٹ ڈگری کالج' کوئٹہ۔

تبدیل ہو چکا ہے' لہٰذا موجودہ جسم کو یہ سزا نہیں ملنی چاہیے۔ جواب یہ ہے کہ یہ کام اصل انسان یعنی روح نے کیا ہے جو اُس وقت بھی موجود تھی اور آج بھی موجود ہے' لہٰذا جس نے نیکی یا برائی کی تھی جزا یا سزا بھی اُسی کو ملی ہے۔ خود مذکورہ آدمی بھی ذمہ داری قبول کر رہا ہے۔

(۵) ایک انسان نے دس سال کی عمر میں ایک کام کیا یا کوئی واقعہ ہوتے ہوئے دیکھا۔ ستّر سال کے بعد بھی اسے یہ یاد رہتا ہے' حالانکہ اس عرصہ میں اس کے دماغ کے خلیے تقریباً بیس مرتبہ تبدیل ہو چکے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ معلومات ختم شدہ خلیوں کے ساتھ ختم کیوں نہیں ہوئیں؟ جواب یہ ہے کہ یادداشت کی حفاظت کا مرکز جسم میں نہیں بلکہ روح میں ہے' جو دس سال کی عمر میں بھی موجود تھی آج بھی موجود ہے۔

مذکورہ دلائل کی بنا پر ماننا پڑے گا کہ انسان روح اور جسم کے مجموعے کا نام ہے' اور یہ بھی کہ ہر ایک کی ضروریات دوسرے سے الگ ہیں۔ چونکہ روح کا تعلق عالم بالا سے ہے تو اس کے تقاضے جسمانی تقاضوں سے اہم اور مقدم ہیں۔ جب دونوں کے حصول میں ٹکراؤ آ جائے تو جسمانی تقاضے کو چھوڑ کر روحانی تقاضے کو ترجیح دی جائے گی۔

نفسیاتِ انسانی کی ہیئت

مذکورہ تمہید کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ انسانی نفسیات روحِ انسانی اور جسم انسانی دونوں مل کر تشکیل دیتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارے پاس جسم کی ساخت کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں تو اس کی نفسیات کے بارے میں ہم کیا جانتے ہوں گے؟ اس کی وضاحت کے لیے ایک بار پھر الکسیس کاریل کی کتاب کی طرف چلتے ہیں' وہ رقمطراز ہیں:

> ''ہمیں اپنی تحلیل نفسی کے لیے مختلف فنون اور متعدد علوم کا سہارا لینا پڑتا ہے' حالانکہ (مذکورہ علوم کے غیر یقینی ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ) یہ علوم ایک مشترکہ مقصد میں بھی مختلف آراء پیش کرتے ہیں' کیونکہ ان علوم کے پاس جس قدر وسائل ہیں وہ اسی کے بقدر ان (وسائل) سے چند امور اخذ کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر ان امور کا آپس میں موازنہ کیا جائے تو ان میں سے کم ہی حقیقت بننے کے قابل ہوں گے۔ مزید یہ کہ کیمیا' فزیالوجی' نفسیات' فن تعلیم وغیرہ علوم اپنے موضوع کے تمام پہلوؤں کو بیان نہیں کرتے۔ ہمیں اب تک یہ علم نہیں کہ کس قسم کے ماحول میں ایک مہذب انسان پیدا

> کرنے کی صلاحیت ہے۔ انسان اپنے نفس کی معرفت کی طرف جو (بہت زیادہ) دیر سے متوجہ ہوا ہے اس کا ایک سبب یہ ہے کہ ہم انسان جیسی پیچیدہ شے کے حل میں الجھن محسوس کرتے ہیں۔ بقول ہنری برگساں ہماری عقل زندگی کے فہم سے طبعی طور پر عاجز ہے۔ انسان کے بارے میں ہماری معرفت کی سست رفتاری دوسرے علوم کے مقابلے میں اس لیے ہے کہ موضوع انتہائی پیچیدہ ہے اور ہماری عقل کی ساخت (کے بس) سے باہر ہے۔ یہ رکاوٹیں بنیادی ہیں اور ان کا دور کرنا آسان نہیں ہے۔'' (بحوالہ ''اسلام اور مغرب کے مسائل'' بتغیر یسیر)

جب ہمارے سامنے ایک بہت ہی پیچیدہ مشین پڑی ہو اور اور اس کے بارے میں ہماری معلومات صفر کے برابر ہوں تو ایسی صورت میں اس مشین کو چلانے کے لیے ہم ہدایات مرتب نہیں کر سکتے۔ انسانی مشین کے بارے میں ہمارے ماہرین نفسیات کی یہی حالت ہے' لیکن پھر بھی ہدایت نامہ پیش کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اس ہدایت نامہ کے مطابق عمل کرنے سے کامیاب زندگی گزارنا یقینی ہے۔ اب ہم نفسیات کے چند اصول اور ان پر تجزیاتی نظر ڈالتے ہیں۔

نفسیاتی اصول کا تجزیہ

فرائڈ جدید علم نفسیات کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ مذہب کی ابتدا کے بارے میں اُس کا کہنا ہے کہ جوان بچوں کو اپنی ماں میں جنسی دلچسپی پیدا ہوئی لیکن والد بچوں اور ماں کے درمیان رکاوٹ بنا تھا' نتیجتاً انہوں نے والد کو قتل کر دیا۔ بعد میں ان کو والد کے قتل پر ندامت کا احساس ہوا اور جرم کی سزا کے طور پر انہوں نے ماں کو اپنے اوپر حرام کر دیا۔ یہی پہلی مذہبی پابندی ہے اور بعد میں ہر جرم کے سرزد ہو جانے پر لوگ نئی پابندی عائد کرتے رہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ لیکن فرائڈ کا یہ خیال قابل قبول نہیں' جس کی وجوہات یہ ہیں:

(۱) بچوں نے اپنے اوپر جو پابندی عائد کی وہ پہلی تو نہیں تھی' کیونکہ اس سے پہلے والد نے بچوں پر ماں سے جنسی تسکین پر پابندی عائد کی تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بچوں نے باپ کے قتل پر ندامت کا احساس کیوں کیا؟ وضاحت یہ ہے کہ ندامت کا احساس کسی کو تب ہوتا ہے جب وہ جرم سرزد ہونے کا احساس کرے۔ اور یہ احساس تب ہوتا ہے جب کوئی قانون موجود ہو اور اس قانون کی روح سے سرزد ہونے والا کام جرم شمار ہوتا ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ بچوں نے کس

قانون کی خلاف ورزی کر کے جرم کا ارتکاب کیا؟ مزید یہ کہ والد نے مذکورہ پابندی کس جرم کی سزا کے طور پر عائد کی تھی؟

(۲) فرائڈ انسانی ذہن کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے: لاشعور (ID)‘ شعور (EGO)‘ فوق الشعور (Super Ego)۔ فوق الشعور کا کام یہ ہے کہ وہ شعور کے فیصلوں کی نگرانی کرے۔ اور جب شعور غلط کام کرتا ہے تو اس کی سخت سرزنش کرتا ہے اور اسے غلط کام کے بھیانک نتائج سے ڈراتا ہے۔

یہ کب وجود میں آتا ہے؟ یہ تب وجود میں آتا ہے جب بچہ جوان ہو کر والدین کے کنٹرول سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کے وجود میں آنے سے پہلے بچے کے افعال آبائی الجھاؤ کو کنٹرول کر رہے تھے۔ آبائی الجھاؤ کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کام کرتے وقت دو چیزوں کو ذہن میں رکھتا ہے‘ ایک یہ کہ والد ناراض نہ ہو جائے‘ دوسری یہ کہ والد خوش ہو جائے‘ کیونکہ والدین بچے سے محبت کرتے ہیں۔ والد اگر کبھی غصے کا اظہار کرتا ہے تو اس کا محرک بھی محبت ہوتی ہے۔ وہ اچھے کام پر بچہ کو انعام بھی دیتا ہے‘ خواہ شاباش کی شکل میں ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن فوق الشعور آبائی الجھاؤ کا قائم مقام اور اس کا وارث ہونے کے باوجود آبائی الجھاؤ کی طرح عمل نہیں کرتا۔

ایک وجہ یہ ہے کہ والدین بچے سے پیار اور محبت کرتے ہیں لیکن فوق الشعور میں یہ چیز بالکل نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ والدین اچھے کام پر بچے کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور انعام دیتے ہیں‘ جبکہ فوق الشعور میں یہ چیز نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض والدین نے بچوں پر کبھی غصہ نہیں کیا ہوتا‘ ہر وقت نرمی اور پیار سے پیش آتے ہیں‘ لیکن فوق الشعور ہر نامناسب کام پر سخت ڈانٹ پلاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر واقعی فوق الشعور آبائی الجھاؤ سے پیدا ہوا ہے اور اس کا قائم مقام ہے تو پھر اس میں محبت کا پہلو کیوں موجود نہیں؟ اس کا آسان اور معقول جواب یہ ہے کہ فوق الشعور ایک مستقل قدرتی اور فطری جذبہ ہے جو انسان کو مجبور کرتا ہے کہ اچھائیوں سے محبت کریں اور برائیوں سے دور رہیں۔

(۳) فرائڈ کہتا ہے کہ انسان کے ہر عمل کا محرک جنسی جذبہ ہے‘ یہاں تک کہ شیر خوار بچے کا ماں کا پستان چوسنا یا انگوٹھا چوسنا اور فضلہ خارج کرنا جنسی تسکین کے لیے ہوتا ہے۔ تین چار سال کی عمر میں یہ جذبہ سو جاتا ہے اور جوانی کے ساتھ پھر بیدار ہو جاتا ہے۔ اب اگر کسی وجہ سے‘ مثلاً سماج کے خوف یا کسی اور وجہ سے‘ یہ جوان جنسی جذبہ کو تسکین دینے میں ناکام رہتا ہے تو یہ شخص ذہنی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے‘ جو صدمہ کی کیفیت یا شدت کے مطابق بعض اوقات شدید

اعصابی خلل یا ہسٹریا یا جنون کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ایسی صورت میں لوگ مجبوراً علم‘ ہنر‘ مذہب اور اخلاق کو اختیار کر لیتے ہیں‘ کیونکہ یہ ایسی سرگرمیاں ہیں جو مایوس یا ناکام جنسی جذبہ کو تسکین دیتی ہیں‘ اور اس کا نام ارتفاع (sublimation) رکھا گیا ہے۔

فرائڈ کا یہ دعویٰ بالکل نامعقول اور روزمرہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ بہت سارے لوگ مغرب میں آزادی سے جنسی جذبات کو تسکین دے سکتے ہیں‘ لیکن پھر بھی جنس سے کئی گنا زیادہ توجہ علم‘ ہنر اور مذہب و اخلاق کی طرف دیتے ہیں۔ اگر فرائڈ کا دعویٰ درست ہے تو مذکورہ صورت نہیں ہونی چاہیے۔ دنیا میں سب سے آزاد ممالک ڈنمارک‘ سویڈن اور ناروے میں تو علم اور ہنر وغیرہ کی طرف توجہ دینے والے بالکل نہیں ہونے چاہئیں‘ سوائے ان لوگوں کے جو بعض خاص افراد سے جنسی تسکین چاہتے ہوں لیکن وہ افراد ان کے ساتھ راضی نہ ہوں۔ دوسرے الفاظ میں عشق میں ناکام ہوں۔ حالانکہ وہاں بہت سارے لوگ اس قسم کی کسی مایوسی یا ناکامی کے بغیر مختلف علوم کی طرف بھرپور توجہ دے رہے ہیں۔ اگر یہ سرگرمیاں اصلی اور فطری نہیں بلکہ دبی ہوئی جنسی خواہشات کی بدلی ہوئی غیر فطری صورتیں ہیں تو لوگوں کی اکثریت کو کس چیز نے ان کو اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے؟ یا تو ان کی مجبوری ثابت کی جائے یا مذکورہ دعویٰ کو بے بنیاد مانا جائے۔

(۴) فرائڈ کہتا ہے کہ ہر انسان دوسرے کے لیے دو متضاد جذبات رکھتا ہے‘ یعنی بیک وقت نفرت اور محبت کا جذبہ‘ اور ان میں اصل اور مقدم نفرت کا جذبہ ہے۔ محبت صرف نفرت کو پوشیدہ رکھنے کے لیے ظاہر کی جاتی ہے۔ اس کے بقول جب کوئی شخص اپنے رشتہ دار کی موت پر روتا ہے تو اس کی وجہ غم نہیں‘ بلکہ ممکن ہے وہ خوش ہوا ہو اور یہ رونا خوشی کو چھپانے کے لیے ہو۔ اس کے لیے وہ جذبات کی دوئی کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ اس کا یہ نظریہ حقیقت کے برخلاف ہے۔ اس لیے کہ یہ حقیقت ہے کہ ہر انسان کا جن لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ واسطہ پڑتا ہے ان سے گلے شکوے اور چھوٹی موٹی ناراضگیاں ہوتی ہیں‘ لیکن انسان کے اندر بھول جانے کا مادہ موجود ہے‘ اس لیے وقت کے ساتھ ساتھ یہ چیزیں ذہن سے نکل جاتی ہیں اور دل صاف ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ نفرت اور محبت کا موازنہ کرنا چاہیے‘ مثلاً ایک والد یا والدہ کو اگر کسی وجہ سے اپنے بیٹے سے ناراضگی ہو بھی تو ان کی محبت کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں‘ لہٰذا کوئی معقول انسان اس بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ ایک ماں کا جوان بیٹا ڈاکوؤں نے

مار دیا ہو اور وہ اس پر خوش ہو اور اپنی خوشی چھپانے کے لیے رو رہی ہو۔ مذکورہ بالا سطروں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فرائڈ جو معالج اور مسیحا ہے اس نے انسان کو نفرت سے بھرا ہوا جنسی خواہش کا غلام ثابت کیا ہے۔

فرائڈ دعا اور عبادت کی اہمیت تسلیم کرتا ہے' اور اعتراف کرتا ہے کہ نفس انسانی کے جو تین طبقات ہیں: لاشعور' شعور اور فوق الشعور' عبادات سے ان میں ردوبدل ہو جاتا ہے' یعنی عبادات کے ذریعے انسان کا لاشعور مناسب تشفی اور اطمینان پاتا ہے اور ذہنی امراض کے امکانات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ لوگوں کو دعا اور عبادت کی طرف راغب نہیں کرتا بلکہ ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی خاطر اس اعتراف کے بعد یہ کہتا ہے کہ ہم نے تحلیل نفسی کی معالجانہ کوششوں میں یہی طریق کار اختیار کر رکھا ہے۔ حالانکہ فرائڈ کے طریق کار میں کامیابی یقینی نہیں' جبکہ عبادات اور دعا میں کامیابی بالکل یقینی ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ بہت سے ایسے لوگ جو نفسیاتی مشکلات میں مبتلا تھے' یہاں تک کہ عشق میں ناکامی کی وجہ سے سخت ڈپریشن میں مبتلا لوگ جو خودکشی کے لیے آمادہ تھے' جب انہوں نے مذہب سے رابطہ استوار کیا تو انتہائی کامیابی سے اپنے ڈپریشن پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس نے یہی تاثرات تصوف کے بارے میں بھی ظاہر کیے ہیں' لیکن وہ چونکہ مذہب کے ساتھ تعصب رکھتا ہے اس لیے اس پر غور نہیں کرتا۔

کیا علمِ نفسیات پر تحقیق ہونی چاہیے؟

مذکورہ بالا سطور سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ مذکورہ علم پر توجہ نہیں دینی چاہیے' بلکہ یہ تحقیق اشد ضروری ہے' لیکن آنکھیں بند کر کے' شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بن کر نہیں' یعنی اندھی تقلید سراسر غلط ہے۔ مثال کے طور پر میں نے پروفیسر سید ساجد حسین کی نفسیات کی کتاب' جو بی اے اور ایم اے کے طلبہ کے لیے لکھی گئی ہے' کا مطالعہ کیا۔ اس میں اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ' رسول اللہ ﷺ' آخرت' جنت و دوزخ' جزا و سزا کا ذکر ایک دفعہ بھی نہیں آیا ہے' اس کی ابتدا بھی بسم اللہ سے نہیں ہوئی ہے۔ اس طرح نہیں' بلکہ ان کاوشوں کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے اور **خذ ما صفا ودع ما کدر** کے مطابق حق بات اپنا لینا چاہیے اور باطل کی نشاندہی کر کے ٹھوس دلائل کی بنیاد پر رد کر دینا چاہیے۔ کیونکہ ہر نظریہ مکمل باطل نہیں ہوتا' بلکہ ایک حد تک حق باتیں بھی اس میں ہوتی ہیں۔ دینی علماء کے لیے بہت ضروری ہے کہ اس علم پر

توجہ دیں اور ایک مسلمان علم نفسیات مرتب کریں' کیونکہ علم اب مسلم ممالک میں عصری علوم کے اداروں میں شامل نصاب ہے اور جس طرز پر فرائڈ اور اس کے شاگردوں نے اسے ترتیب دیا ہے من وعن اسی طرح پڑھایا جاتا ہے اور ملک کے ہر بڑے شہر میں نفسیات کے کلینک کھول دیے گئے ہیں جن میں سو فیصد فرائڈ کے نظریہ کے مطابق مشورے نفسیاتی مریضوں کو دیے جاتے ہیں۔ پوری دنیا میں بڑی تیزی کے ساتھ لوگ اس نظریہ کو اپنا رہے ہیں۔ لیکن صد افسوس کہ اس کے باوجود دینی علماء کی تحقیق موضوع پر کہیں بھی نظر نہیں آ رہی۔ کوئٹہ شہر کے ایک بہت مشہور عالم دین سے ایک دن میں نے فرائڈ کے بارے میں سوال کیا تو اُسے نہ تو یہ معلوم تھا کہ فرائڈ نام کا کوئی آدمی ہے اور نہ یہ کہ وہ کسی نظریہ کا بانی ہے۔ الغرض اُس کی باتیں بیان کرتے ہوئے انسان کو شرم آتی ہے' مثلاً وہ کہتا ہے کہ بیٹی کو باپ سے اور بیٹے کو ماں سے زیادہ محبت ہوتی ہے اسی طرح باپ کو بیٹی سے اور ماں کو بیٹے سے' وغیرہ وغیرہ۔

چند وضاحتیں

ایک بات یہ ذہن میں رہے کہ علم نفسیات کے وہ اصول جو اسلامی اصولوں کے ساتھ ہیں وہ بھی ریاضی کے اصول کی طرح یقینی نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر انسان کی شکل و صورت کی طرح طبیعت و مزاج بھی مختلف ہے۔ مغربی اور مشرقی انسان میں اختلاف تو سب پر واضح ہے' بلکہ وہ لوگ جو ایک خاندان کے افراد ہیں ان میں بھی اتفاق نہیں۔ دو بھائی کپڑے کے رنگ' جوتوں کے ڈیزائن' کھانے کے ذائقے اور موسیقی کے بارے میں الگ الگ ذوق رکھتے ہیں نتیجہ یہ کہ ان میں اتفاق کم' اختلاف زیادہ ہوتا ہے۔ ان کا نفسیاتی اختلاف اسی پر قیاس کرو' لہٰذا ان پر نفسیات کا کوئی ایک اصول لاگو کرنا مشکل ہے۔ ایک بات منوانے کے لیے ایک کی خوشامد کرنی پڑتی ہے' دوسرے کو دھمکانا ضروری ہے' تیسرے کو دلیل سے مطمئن کرنا کافی ہے۔ ایک دفعہ ٹی وی پر ایک ماہر نفسیات بتا رہے تھے کہ اگر ایک جگہ دو آدمیوں کا آمنا سامنا ہو جائے اور ان میں سے ایک (زید) دوسرے (خالد) کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہو مگر خالد اس کے بارے میں مثبت جذبات رکھتا ہو تو ان دونوں کے جسم سے شعاعیں نکلتی ہیں جو مخالف پر پڑتی ہیں۔ ان میں مثبت جذبات والی شعاعیں منفی جذبات والے کی شعاعوں سے طاقتور ہوتی ہیں' لہٰذا منفی جذبات والی شعاعیں واپس اپنے مالک کی طرف لوٹ جاتی ہیں اور جس نقصان کا ارادہ اس نے کیا تھا وہ خود اسی کو پہنچتا ہے۔ یہ بات اسلامی اصولوں کے ساتھ

مکمل ہم آہنگ ہے' لیکن ہر جگہ اس طرح نہیں ہوتا۔ آدم علیہ السلام کا ایک بیٹا اپنے بھائی کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے' لیکن دوسرے کا دل بالکل صاف ہے اور وہ اپنے دل کی حالت زبان سے بھائی پر ظاہر بھی کر دیتا ہے۔ اس کے باوجود بد باطن شخص اپنے نیک فطرت بھائی کو قتل کر دیتا ہے۔

دوسرا دعویٰ یہ کیا کہ اس قسم کے منفی جذبات کا حامل انسان اگر ہمارے حوالے کیا جائے تو دو دن میں ہم اس کے منفی جذبات ختم کرا سکتے ہیں۔ یہ دعویٰ بھی اصولی طور پر درست ہے' قرآن حکیم کا ارشاد ہے: ﴿فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۝۳۴﴾ (حٰمٓ السجدة) لیکن ہر ایک پر کارگر نہیں ہے۔ مثال کے طور پر عبداللہ بن اُبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ غیر معمولی نیکیاں کی تھیں' لیکن وہ تادمِ وفات اسی دشمنی پر قائم تھا۔ یہ تو مختلف لوگوں پر ایک اصول کو لاگو کرنے کی دشواری ہے' جبکہ ایک فرد پر بھی ایک اصول ہر وقت لاگو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کی کیفیت ہر وقت ایک جیسی نہیں رہتی کبھی خوش' کبھی غمگین کبھی پُراعتماد' کبھی مایوس' کبھی غصہ میں کبھی رحم کی حالت میں۔ جوانی میں ایک حالت' بڑھاپے میں اس سے مختلف۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے: لا یقضینّ وھو غضبان یعنی ''قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ ہرگز نہ کرے''۔ اس لیے ہر وقت ایک ہی اصول کا اجراء ایک انسان پر بھی کامیاب طریقہ اصلاح نہیں۔

مسائل کا حل

جب انسان کسی مسئلہ کا شکار ہو جاتا ہے تو اس کا حل دشوار نہیں ہوتا' بشرطیکہ اس کے پاس اپنے دین کے بارے میں بنیادی معلومات ہوں۔ قرآن و حدیث کی شکل میں اس کے پاس آئین موجود ہے' اس کے دائرے میں رہتے ہوئے خود ہی اپنی حالت کے مطابق قانون بنائے اور اجتہاد سے کام لیا کرے' کیونکہ جو بھی لمحہ اس پر آتا ہے شاید اس کے بارے میں اسلام کی طرف سے ہدایت واضح نہ ہو۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن کے قاضی کی حیثیت سے بوقت ضرورت اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ((دَعْ مَا یُرِیْبُكَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُكَ)) ''جو چیز مشکوک ہو اسے چھوڑ کر وہ اختیار کرو جس میں شک نہ ہو''۔ اس کی روشنی میں تعصب کی گرفت سے آزادی کی صورت میں فیصلہ کرنے سے مسائل بھی حل ہو جائیں گے' دنیا و آخرت میں مثبت نتائج سامنے آئیں گے۔ مذہب کی طرف رجوع کرنے سے نفسیاتی مسائل پر قابو پانے کا اعتراف فرائڈ نے بھی کیا ہے۔ ❁❁

پاکستان کے خلاف آبی جارحیت کی اور سندھ طاس معاہدے کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر کے پاکستان کو بنجر کرنے کے لیے دن رات کوشاں ہے۔ افغانستان کے مسئلہ کو پاکستان کے خلاف استعمال کیا اور افغانستان میں بلاضرورت کئی قونصل خانے کھول کر بلوچستان میں مداخلت شروع کر دی جو آج تک جاری وساری ہے۔ اس مداخلت کے بارے میں بدنام زمانہ وزیر داخلہ رحمٰن ملک یہ کہنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ ہمارے پاس بلوچستان میں بھارتی مداخلت کے ناقابل تردید ثبوت ہیں۔ سمجھوتہ ایکسپریس میں درجنوں پاکستانیوں کو زندہ جلا دیا۔ اس درندگی کا اعتراف بھارت کے کرنل کرکرے نے اعلانیہ کیا تھا' جس کی سزا اس کو یوں دی کہ جب ممبئی میں دہشت گردی کا ڈرامہ رچایا گیا تو اسے تاج ہوٹل میں ہلاک کر دیا گیا۔ اپنی پارلیمنٹ پر حملے کا ڈرامہ رچایا اور پاکستان پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی۔ ممبئی ڈرامے کا ڈھول دنیا بھر میں اس قدر پیٹا کہ اس کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا تھا کہ پاکستان ایک دہشت گرد ریاست ہے۔ لیکن آج گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھائی اور صاف صاف کہہ دیا کہ بھارتی ریاست خود ایسے ڈرامے سٹیج کر کے پاکستان پر الزام دھر دیتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بھارت ہمارا ازلی اور ابدی دشمن ہے۔ دنیا میں ذاتی اور قومی دشمنیاں وجود رکھتی ہیں' لہٰذا افراد اور اقوام ایک دوسرے کے خلاف اقدام کرتی ہیں۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ دشمن کمینہ اور بزدل ہے اور انتہائی گھٹیا سوچ کا حامل ہے' لہٰذا اس سے گلہ یا احتجاج کرنا ناسمجھی اور حماقت ہے۔ اصل قابل غور رویہ اور کردار پاکستان میں بسنے والے اس سیکولر طبقہ کا ہے جو اس سب کچھ کے باوجود بھارت کی محبت میں مرا جاتا ہے اور بدقسمتی سے اس وقت پاکستان کی حکومت اس طبقہ سے بہت متاثر ہے۔ اسی طبقہ کا اس وقت میڈیا میں بڑا بلکہ مکمل کنٹرول ہے جو ہر وقت لوگوں کو یہ سمجھانے اور ان کے دل و دماغ میں یہ اتارنے کی کوشش کرتا رہتا ہے کہ پاک بھارت تعلقات میں بگاڑ کی اصل ذمہ دار پاکستان میں بعض بھارت دشمن تنظیمیں ہیں جنہیں بقول ان کے اسٹیبلشمنٹ اور خفیہ ایجنسیوں کی حمایت حاصل ہے۔ اس میں وہ نیوز چینل بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں جو ''امن کی آشا'' نامی غیر حقیقی اور غیر منطقی میڈیا مہم کا آغاز کیے ہوئے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ممبئی حملوں کے فوری بعد ہمارا ایک نیوز چینل اجمل قصاب کے گاؤں کی تصویریں دکھانا شروع ہو گیا جو پاکستان کا ایک گاؤں ہے۔

حکومت اور اس کا نادان دوست سیکولر طبقہ یہ جان لے کہ بھارت پاکستان کے کسی خاص طبقہ یا گروہ کا دشمن نہیں' ہر ہر پاکستانی کا دشمن ہے۔ ہندو دھرتی کو سجدہ کرنے والا دنیا میں موجود ہر مسلمان کا دشمن ہے۔ خدانخواستہ خدانخواستہ' خاکم بدہن' اگر بھارت پاکستان کو تباہ و برباد کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ سیکولر یا مذہبی مسلمان میں ہرگز ہرگز فرق نہیں کرے گا اور نہ ہمارے حکمرانوں سے اس بنیاد پر رعایت کرے گا کہ وہ اس کے حق میں سیاسی بیان بازی کرتے تھے۔ بھارت اپنے دوست اور مربّی اسرائیل کی طرح ایک دہشت گرد ریاست ہے اور مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کا ارتکاب ہندو کے ایمان کا حصہ ہے۔ بہرحال اللہ ربّ العزت نے ایک بُت پرست کو زبان دی ہے۔ اللہ کی انگلیوں کے درمیان سارے انسانوں کے دل ہیں' وہ بدترین انسان سے بھی خیر کا کام لے سکتا ہے۔ اگر ہم اب بھی آنکھیں کھولنے کو تیار نہیں تو اللہ ربّ العزت کا ایک نظام ہے' اس کی ایک سنت ہے اور وہ بالعموم اپنی سنت تبدیل نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حالات کے ادراک کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں اپنا رخ رَبِّ کعبہ کی طرف کرنا ہوگا۔ عالمی سازشوں اور دشمن کے مکر سے بچنے کے لیے یہ ناگزیر ہے' لازم ہے۔

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو ویڈیو کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

جس شخص کو اللہ تعالیٰ خیر سے نوازنا چاہتا ہے اسے دین کا فہم عطا کر دیتا ہے (بخاری، مسلم)

گھر بیٹھے علم دین سیکھنے کا جامع پروگرام

☆ اوپن یونیورسٹی سے آسان طریقہ ☆ نہ کسی مدرسہ میں داخلہ، نہ مروجہ امتحانات

☆ ہر عمر کے مرد و خواتین کے لیے ☆ پورے ملک کے تمام علاقوں کے لیے

تبلغ اسلام سرٹیفکیٹ کورس | ڈپلومہ: فاضل علوم اسلامی | اسناد فضیلت: المدرس القرآن، الاستاز، رئیس الاساتذہ

سکولوں، کالجوں اور دینی مدارس کیلئے خصوصی پیکج

تعلیمی بورڈ

ڈاکٹر سہیل حسن، صاحبزادہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن، علامہ زاہد الراشدی، جناب خلیل الرحمٰن چشتی، جناب اکرام اللہ جان، پروفیسر ڈاکٹر حبیب الرحمٰن عاصم
مولانا عبدالمالک، حافظ عاکف سعید، ڈاکٹر ایس ایم زمان، ڈاکٹر سید زاہد حسین، مولانا حنیف جالندھری، ڈاکٹر نجم الدین

دعوت فاؤنڈیشن پاکستان

مکان نمبر STI,1 کالونی پلاٹ نمبر 7 سیکٹر H-9 اسلام آباد فون 051-4444266، موبائل: 0323-5131416

ای میل anfides@gmail.com

"میثاق" میں "تعمیر سیرت" کے زیر عنوان شائع ہونے والے
تعلیم و تربیت کے نقطہ نظر سے معلومات افزا اور پر تاثیر
مضامین کا خوبصورت گلدستہ

آداب خود آگاہی

از: عتیق الرحمٰن صدیقی

☆ امپورٹڈ آفسٹ پیپر ☆ عمدہ طباعت ☆ خوبصورت ٹائٹل ☆ مضبوط جلد

☆ صفحات: 256 ☆ قیمت: 280 روپے

ناشر: الخدمت پبلیشرز، 1۔ کینال روڈ، تاج باغ، ہربنس پورہ، لاہور، فون: 0333-4491850

داخلے جاری ہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کے زیر اہتمام جدید اردو ڈاکٹر اسرار احمدؒ

(پارٹ I اور II)

رجوع الی القرآن کورسز

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

- اس سال کلاسز کا آغاز 2 ستمبر سے ہوگا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین وحضرات 2 ستمبر کو صبح 8:30 بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ:
پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: **قرآن اکیڈمی**
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
email:irts@tanzeem.org
ندیم سہیل
0322-4371473